صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

سلسلۂ دار المصنفین

(۳۹)

مقالات شبلی رح

(ادبی)

جلد دوم

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

کے

تمام ادبی مضامین کا مجموعہ جن کو مختلف رسالون سے یکجا کیا گیا ہے ۔

باہتمام مسعود علی ندوی

سنہ ۱۳۵۰ھ در مطبع معارف اعظم گڑھ طبع شد سنہ ۱۹۳۱ء

فہرست مقالاتِ شبلی جلد دوم

دیباچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"مقالاتِ شبلی" کی دوسری جلد جسمین مولسنا مرحوم کے کُل ادبی مضامین شامل ہین پیش ہے، اس مین سے صرف دو مضمون "سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر" اور "املا اور صحتِ الفاظ" علی گڈھ کالج منتھلی میگزین بابت ۱۸۹۸ء سے لئے گئے ہین، اور "اردو ہندی" معارف مین چھپا تھا، بقیہ کل مضامین الندوہ سے لیے گئے ہین، فن بلاغت والے مضمون کا کچھ حصہ موازنہ انیس و دبیر مین داخل ہے، مگر کسی قدر تغیر کے بعد،

"شعر العرب" پر مولانا پوری کتاب لکھنا چاہتے تھے، مگر دو نمبرون سے زیادہ نہ لکھ سکے،

دوسری جلدین بھی بتدریج شائع ہونگی،

سید سلیمان ندوی

۱۴ اگست سنہ ۱۹۳۱ء

۷۸۶

عربی زبان

دنیا مین یون تو سیکڑون ہزارون زبانین مروّج اور مستعمل ہین لیکن سب کی اصل الاصول صرف تین زبانین ہین ایک سامی جو سام بن نوح کی طرف منسوب ہے، اس زبان سے جو زبانین پیدا ہوئین وہ عربی، عبرانی، سریانی، کلدانی، نبطی وغیرہ ہین، ان زبانون مین بعض اوصاف ایسے پائے جاتے ہین جو انھین کے ساتھ مخصوص ہین ان مین سے ایک یہ ہے کہ ان مین بعض حرف ایسے ہین جنکا تلفظ اور کوئی قوم نہین کر سکتی، مثلاً ح، ع، ق، ص، ض، ط، ظ، دوسرے یہ کہ ان زبانون مین مذکر اور مونث کے لئے ضمیرین اور افعال جدا جدا ہین، تیسرے یہ کہ ان زبانون مین اسم، فعل، حرف، ہر ایک کے ساتھ ضمیر لاحق ہو سکتی ہے، اس امر مین اختلاف ہے کہ ان سامی زبانون مین نسبتہً قدیم کون زبان ہے، قدمار کا عام خیال یہ تھا کہ عبرانی سب سے زیادہ قدیم ہے، یورپ کے اکثر متاخرین، سریانی کو قدیم تر بتاتے ہین، لیکن حق یہ ہے کہ یہ شرف عربی زبان کو حاصل ہے، اس کے دلائل حسب ذیل ہین،

عربی، سریانی اور عبرانی مین سب سے قدیم کون زبان ہے

۱۔ عبرانی اور سریانی زبان مین جس قدر الفاظ کے مادے ہین، عربی مین سب موجود ہین، بخلاف اس کے عربی زبان مین بہت سے مادے ہین جو عبرانی اور سریانی زبانون مین نہین، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عربی زبان اصل تھی، اس لئے تمام مادے اس مین موجود تھے، عبرانی اور سریانی زبانین چونکہ زمانہ مابعد کی

زبانین تھین اس لئے بہت سے مادے متروک ہوگئے،

۲- عربی مین جس قدر افعال ہین سب قیاس کے موافق ہین، بہت کم الفاظ ہین جنہین خلاف قاعدگی اور شذوذ پایا جاتا ہو، بخلاف اس کے سریانی اور عبرانی مین جس قدر الفاظ قیاس کے موافق ہین، اس سے زیادہ اسی کے مخالف ہین، اور یہ ظاہر ہو کہ جو زبانین جسقدر زیادہ قدیم ہوتی ہین اسی قدر ان مین اصول اور قاعدہ کی پابندی پائی جاتی ہو،

۳- عبرانی اور سریانی زبانون مین بہت سے ایسے الفاظ ہین، جنکی اصل معلوم نہین اور یہ پتہ نہین لگتا کہ یہ کن الفاظ سے مشتق ہین، لیکن عربی زبان مین ان الفاظ کی اصلین اور مشتق منہ موجود ہین،

۴- عبرانی اور سریانی مین اکثر الفاظ کے اجزار اصلیہ جاتے رہے ہین، لیکن عربی زبان مین موجود ہین، مثلاً، انت اور انتم کا نون، الف لام تعریف کا لام، جمع متکلم مضارع کا نون،

۵- عربی مین جن الفاظ مین ضاد کا حرف تھا، عبرانی اور سریانی مین ص اور ع سے بدل دیا ہو مثلاً، ارض، ضان، قبض کو عبرانی مین ارص، صان، قبص کہتے ہین، اور سریانی مین انھین الفاظ کو ارع، عان، قبع کہتے ہین،

یہ الفاظ اگر اصل مین عبرانی ہوتے، تو عربی مین صاد اور سریانی مین ع سے بدلنے کی کچھ ضرورت نہ تھی، کیونکہ ان دونون زبانون مین خود ص کا حرف موجود ہو اسی طرح اگر یہ الفاظ اصل مین سریانی ہوتے تو عربی مین ض اور عبرانی مین ص سے بدلنے کی کوئی ضرورت نہ تھی، کیونکہ عین کا حرف دونون زبانون مین پہلے سے موجود ہے،

اس سے ثابت ہوا کہ یہ الفاظ دراصل عربی ہین، اور چونکہ ض عربی کے سوا اور کسی زبان مین موجود نہین، اس لئے عبرانی نے اس کو ص سے بدل دیا اور سریانی نے ع سے اسیطرح

جن عربی الفاظ مین ذ ہے، وہ عبرانی مین ز سے اور سریانی مین د سے بدل دیئے گئے، مثلاً ذکر، عذر، ذراع کو عبرانی مین زکر، عزر، زروع کہتے ہین اور سریانی مین دکر، عدر، دراع

اسی طرح جن الفاظ عربی مین ث ہے، وہ عبرانی مین ش سے اور سریانی مین ت سے بدل جاتے ہین، مثلاً ثلج، ثعلب، ثقل، ثور، میراث، وثب، اثنان، ثلاثہ، کہ یہ سب الفاظ عبری مین ش سے اور سریانی مین ت سے لکھے جاتے ہین،

دلائل مذکورۂ بالا کے سوا ایک بڑی دلیل عربی زبان کے قدیم ہونے کی یہ ہو کہ عبری زبان کی سب سے قدیم تصنیف سفر ایوب تسلیم کیجاتی ہو، اس کتاب مین نہایت کثرت سے عربی الفاظ بھرے ہوئے ہین، اس سے ثابت ہوتا ہو کہ عربی زبان عبری سے پہلے موجود تھی،

یہان ایک شبہہ پیدا ہوتا ہو، وہ یہ کہ عبری اور سریانی زبان مین نہایت قدیم زمانہ سے تصنیفات پائی جاتی ہین، بخلاف اس کے عربی زبان کی قدیم سے قدیم تصنیف کا اسلام کے زمانہ سے کچھ ہی پہلے پتہ چلتا ہو،

لیکن اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہو کہ تصنیفات کی حیثیت سے عربی زبان عبری اور سریانی سے متاخر ہو، اور یہ سچ ہے کیونکہ عرب مین علوم و فنون کا رواج بہت پیچھے ہوا ہے لیکن اس سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ عربی زبان، سرے سے موجود ہی نہ تھی، کسی زبان کا وجود اور اس زبان مین تصنیفات کا وجود، دو مختلف امر ہین، اور دونون مین کوئی لزوم نہین،

فنّ بلاغت

مسلمانون نے جو علوم و فنون خود ایجاد کئے اور جنمین وہ کسی کے مرہون منت نہین ان مین ایک یہ فن بھی ہے، عام خیال یہ ہے، اور خود ہمکو بھی ایک مدت تک یہ گمان تھا کہ یہ فن بھی مسلمانون نے یونانیون سے لیا، ابن اثیر نے مثل السائر مین ایک جگہ لکھا ہے کہ "یونانیون نے فن بلاغت پر جو کچھ لکھا ہے اگرچہ اس کا ترجمہ عربی مین ہو چکا ہے لیکن مین اس سے واقف نہین، اور اس لئے اس فن مین مین نے جو نکتے اضافہ کئے ہین ان مین سے کسی کا مین مقلد نہین بلکہ خود مجتہد ہون"

ابن اثیر نے گو اپنے آپکو یونان کی خوشہ چینی کے الزام سے بچایا ہے لیکن خود اس عبارت سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اصل فن یونان ہی سے آیا تھا، لیکن اب اس خیال کی غلطی علانیہ ثابت ہو گئی، اصل یہ ہے کہ ارسطو نے ایک کتاب ریطوریقا کے نام سے لکھی تھی، جس کو اس نے منطق کا ایک حصہ قرار دیا تھا، ریطوریقا وہی لفظ ہے جس کو انگریزی مین رٹیارک کہتے ہین، اردو مین اس لفظ کا ترجمہ خطابت یا فن تقریر ہو سکتا ہے یہی کتاب ہے جسکی نسبت لوگون کو دھوکا ہوا کہ مسلمانون کا فن بلاغت اسی سے ماخوذ ہے، اس کتاب کو شیخ بو علی سینا نے اپنی کتاب منطقیات شفا مین پورا پورا لے لیا ہے، یعنی اس کے مطالب اپنے الفاظ مین ادا کر دیئے ہین، ابن رشد نے اس کتاب کے اصل ترجمہ کی جو اصلاح کی تھی اس کا بڑا حصہ بیروت مین چھپ گیا ہے یہ ذخیرے ہمارے سامنے

ہین، اور ان سے ثابت ہوتا ہی کہ مسلمانون کا فن بلاغت ارسطو کی کتاب سے چھو بھی نہین گیا ہی،

ارسطو کی کتاب کا موضوع یہ ہی کہ جب کوئی تقریر کسی موقع پر کیجائے تو امور ذیل قابل لحاظ ہون گے،

(۱) مضمون تقریر کیا ہی،

(۲) تقریر کے مخاطب کون لوگ ہین،

(۳) تقریر کرنے والا کون ہی،

ان مختلف حیثیتون کے لحاظ سے تقریر کے مقدمات کس قسم کے ہونے چاہئین چنانچہ ارسطو نے اس کتاب مین بتایا ہی کہ واعظ، وکیل حکیم، فریق مقدمہ وغیرہ وغیرہ کی تقریر کے اصول کیا ہین؟ اور ہر ایک کے طریقۂ استدلال کو کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہونا چاہئے، اگرچہ اس مین شبہہ نہین کہ ارسطو کی یہ کتاب نہایت دقیق اور لطیف مباحث پر مشتمل ہی، اور اگرچہ اسکا بھی سخت افسوس ہی کہ مسلمانون نے اس کتاب سے کچھ فائدہ نہین اٹھایا، لیکن بہرحال مسلمانون کا فن بلاغت ایک جداگانہ چیز ہے اور اس کے وہ خود موجد ہین،

فن بلاغت پر جہان تک ہمکو معلوم ہی سب سے پہلی جو کتاب لکھی گئی ہے، وہ دلائل الاعجاز عبدالقاہر جرجانی ہے، اس سے پہلے کی تصنیفین بھی ہم نے دیکھی ہین، لیکن درحقیقت انکو اس فن کی تصنیف نہین کہہ سکتے، دلائل الاعجاز کے بعد اور بہت سی کتابین لکھی گئین یہان تک کہ مطول اور مختصر معانی پر گویا خاتمہ ہوا،

آجکل یہ فن جس طریقہ سے پڑھا اور پڑھایا جارہا ہی، اس سے زیادہ کسی فن کی

سٹی خوانہین ہوئی، طلبا اور علما ان لفظون اور عبارتون کو جو مختصر معانی وغیرہ مین مذکور ہین بار بار دہراتے ہین لیکن خود نہین جانتے کہ ہم کیا کہہ رہے ہین، یہ ایک عام قاعدہ ہو کہ جب انسان کسی فن کے مسائل کو سمجھ لیتا ہو، اور اس پر حاوی ہو جاتا ہو، تو جہان کہین ان مسائل کا موقع آتا ہو، انسان ان کو استعمال کر سکتا ہو اور کرتا ہو، مثلاً اگر تم نے عربی فن نحو مین مہارت حاصل کر لی ہو، تو جب کوئی عربی عبارت تمھارے سامنے آجائیگی، تم اس کو بے تکلف پڑھتے چلے جاؤگے لیکن فن بلاغت کی درس و تدریس کی یہ حالت ہو کہ مختصر معانی اور مطول سو سو بار دہرا چکے ہین لیکن اگر قرآن مجید کی کوئی عبارت یا عربی کا کوئی شعر دیدیا جائے تو ہرگز نہ بتا سکین گے، کہ اس مین کیا کیا بلاغت کے اصول پائے جاتے ہین

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان درسی کتابون مین مسائل بلاغت کو اس طرح صاف اور سلجھا کر نہین لکھا ہو کہ طالب علم کے ذہن مین اصل مسئلہ کی تصویر اتر جائے مسئلہ ابھی پورا بیان بھی نہین ہوا ہے، کہ اس کے ساتھ لفظی جھگڑے شروع ہو جاتے ہین، اور طالب علم کا ذہن ان بیہودہ بحثون مین پریشان ہو جاتا ہو،

ایک بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ مسائل کے لئے کثرت سے مثالین نہین پیش کیجاتین عبدالقاہر جرجانی نے جو مثالین لکھدی تھین، وہی آج تک چلی آتی ہین بلکہ انمین سے بھی بہت سی چھوٹ گئین،

مسائل بلاغت کے ذہن نشین کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہو کہ اپنی زبان مین اس کی مثالین سمجھائی جائین لیکن ہمارے علما عربی مثالون مین اس قدر محدود ہین، کہ کسی اور زبان سے ان مسائل کی مثالین پیش ہی نہین کر سکتے،

ان وجوہ کی بنا پر ہم نے ارادہ کیا ہو کہ وقتاً فوقتاً فن بلاغت کے مہمات مسائل

اس رسالہ مین اس طرح ادا کئے جائین کہ مسئلہ کی تصویر دل مین اتر جائے اور اس غرض کیلئے تمام مثالین اردو کے کلام سے دیجائین چنانچہ اس پرچہ مین ہم **فصاحت** کے مسئلہ پر بحث کرتے ہین، جو بلاغت کا پہلا زینہ ہی،

فصاحت کی تعریف علمائے ادب نے یہ کی ہی کہ "لفظ متنافر الحروف نہ ہونا مانوس نہ ہو قواعد صرفی کے خلاف نہ ہو" اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے اور چونکہ آوازین بعض شیرین دلآویز اور لطیف ہوتی ہین، مثلاً طوطی و بلبل کی آواز اور بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اس بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہین، بعض شستہ سبک شیرین اور بعض ثقیل بھدے ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو **فصیح** کہتے ہین، اور دوسرے کو غیر فصیح، بعض الفاظ ایسے ہوتے ہین کہ فی نفسہ ثقیل اور مکروہ نہین ہوتے لیکن تحریر و تقریر مین ان کا استعمال نہین ہوا ہی، یا بہت کم ہوا ہے، اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتدا اً استعمال کئے جاتے ہین، تو کانون کو ناگوار معلوم ہوتے ہین، ان کو فن بلاغت کی اصطلاح مین **غریب** کہتے ہین، اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت مین خلل انداز خیال کئے جاتے ہین، لیکن یہ نکتہ یہان لحاظ کے قابل ہی کہ بعض موقعون پر غریب لفظ کی غرابت اس وجہ سے کم ہو جاتی ہی کہ اس کے ساتھ کے الفاظ بھی اسی قسم کے ہوتے ہین، مثلاً ایک شاعر کہتا ہی :- ع

ذریت رسول کی خاطر جلائی نار

نار کا لفظ اس موقع پر نہایت نامانوس اور بیگانہ ہے لیکن یہی لفظ جب فارسی ترکیبون کے ساتھ اردو مین مستعمل ہوتا ہی، مثلاً نار دوزخ، نار جہنم، تو وہ غرابت نہین رہتی،

فصاحت کے مدارج مین اختلاف ہی یعنی بعض الفاظ فصیح ہین بعض فصیح تر بعض اس سے بھی بڑھکر فصیح، مثال کے طور پر ہم دو چار مثالین نقل کرتے ہین، جن سے فصاحت

اور فصاحت کے اختلاف مراتب کا اندازہ ہوسکے گا، ان مثالون مین ایک ہی مضمون مختلف الفاظ مین ادا کیا گیا ہی)

ع کس نے نہ دی انگوٹھی رکوع و سجود مین ع سائل کو کس نے دی ہی انگوٹھی نماز مین
ع آنکھون مین پھرے اور نہ مردم کو خبر ہو ع آنکھون مین یون پھرے کہ مژہ کو خبر نہ ہو
ع رویا مین بھی حسین کو رویا ہی کہتے ہین ع حسرت ہی کہ خواب مین بھی رویا کیجئے
ع جیسے مکان سے زلزلہ مین مکین مکان ع جیسے کوئی بھونچال مین گھر چھوڑ کے بھاگے

معانی و الفاظ کی مناسبت حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کیے جائین، لفظ چونکہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہین پہلے پر رعب، سخت، نرم، شیرین، لطیف، اسی طرح الفاظ بھی صورت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہین بعض نرم، شیرین، اور لطیف ہوتے ہین بعض سے جلالت اور شان ٹپکتی ہی، بعض سے درد اور غمگینی، ظاہر ہوتی ہی، اسی بنا پر غزل مین سادہ، شیرین سہل اور لطیف الفاظ استعمال کیے جاتے ہین، قصیدے مین پرزور شاندار الفاظ کا استعمال پسندیدہ سمجھا جاتا ہی، اسیطرح رزم و بزم، مدح و ذم، فخر و ادعا، وعظ و پند ہر ایک کے لئے جدا جدا الفاظ ہین، شعرا مین سے جو اس نکتہ سے آشنا ہین وہ ان مراتب کا لحاظ رکھتے ہین، اور یہ ان کے کلام کی تاثیر کا بڑا راز ہی، لیکن جو اس فرق مراتب سے واقف نہین یا ہین، لیکن ایک خاص رنگ ان پر اس قدر چڑھ گیا ہی کہ ہر قسم کے مضامین مین ایک ہی قسم کے لفظ ان کی زبان سے ادا ہوتے ہین، انکا کلام بجز ایک خاص رنگ کے بالکل اثر نہین ہوتا ہی، یہی نکتہ ہے کہ سعدی سے رزم اور فردوسی سے بزم نہین نبھ سکتی، فردوسی نے جہان حضرت یوسف کی نالہ و زاری کو اپنی کتاب یوسف زلیخا مین لکھا ہی، لکھتا ہے،

ع بعزیز یوسف دگر بارہ زار،

رزم، بزم، فخر، حسرت، شوق، ہر ایک مضمون کے لئے خاص خاص قسم کے الفاظ موزون ہین، اوران مضامین کے لئے انھین الفاظ کو استعمال کرنا چاہئے، مثلاً ایک شاعر نے جلال اور غیظ کو ان الفاظ مین ادا کیا ہی،

کم تھا نہ ہمہمہ اسدِ کردگار سے — نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے
کیا جانے کس نے ٹوک دیا ہو دلیر کو — سب وحشت گو بختا ہو یہ غصہ ہی شیر کو
تھا یہ بپھرا ہوا عباس مرا شیر جوان — سینۂ حر پہ رکھے دیتا تھا نیزہ کی سنان
لرزہ تھا رعب حق سے ہر اک نابکار کو — روکے تھا ایک شیر جری دھزار کو

ان اشعار مین جو الفاظ آئے ہین جس طرح ان کے معنی غیظ وغضب کے ہین اسیطرح ان الفاظ کی آواز اور لہجہ سے بھی ہیبت اور غیظ وغضب کا اظہار ہوتا ہی،

کلام کی فصاحت، یہ بحث مفرد الفاظ سے متعلق تھی لیکن کلام کی فصاحت مین صرف لفظ کا فصیح ہونا کافی نہین، بلکہ یہ بھی ضرور ہے، کہ جن الفاظ کے ساتھ وہ ترکیب مین آئے انکی ساخت ہیئت نشست سبکی اور گرانی کے ساتھ اس کو خاص تناسب اور توازن ہو، ورنہ فصاحت قائم نہ رہیگی، قرآن مجید مین ہی ما کذب الفؤاد ما رای، فواد اور قلب دونون ہم معنی الفاظ ہین، اور دونون فصیح ہین، لیکن اگر اس آیت مین فواد کے بجائے قلب کا لفظ آئے تو خود یہی لفظ غیر فصیح ہوجائیگا جس کی وجہ یہ ہے کہ گو قلب کا لفظ بجائے خود فصیح ہی لیکن ماقبل اور مابعد کے جو الفاظ ہین، ان کی آواز کا تناسب، قلب کے لفظ کے ساتھ نہین ہی،

میر انیس کا مصرع ہے ع فرمایا آدمی ہی کہ صحرا کا جانور، صحرا اور جنگل ہم معنی ہین اور دونون فصیح ہین، انیس نے مختلف موقعون پر ان دونون لفظون کا استعمال کیا ہی اور ہم معنی

ہونے کی حیثیت سے کیا ہی، لیکن اگر اس مصرعہ مین صحرا کے بجائے جنگل کا لفظ آجائے تو یہی لفظ غیر فصیح ہوجائیگا ذیل کے شعر مین

جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار مین ۔۔۔ طائر ہوا مین مست ہرن سبزہ زار مین

اگر جنگل کے بجائے صحرا لاؤ تو مصرع کا مصرع پھس پھسا ہوجاتا ہی،

شبنم اور اوس ہم معنی ہین اور برابر درجہ کے فصیح ہین لیکن اس شعر مین

تھا موتیون سے دامن صحرا بھرا ہوا ۔۔۔ کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا

اگر اوس کے بجائے شبنم کا لفظ لایا جائے تو فصاحت خاک مین ملجائیگی، یہی اوس کا لفظ جو اس موقع پر اس قدر فصیح ہی، اس مصرع مین "شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے" شبنم کے بجائے لایا جائے، تو فصاحت بالکل ہوا ہوجائیگی،

اس مین نکتہ یہ ہے کہ ہر لفظ چونکہ ایک قسم کا سُر ہے، اس لئے یہ ضرور ہی کہ جن الفاظ کے سلسلہ مین وہ ترکیب دیا جائے ان آوازون سے اس کو خاص تناسب بھی ہو ورنہ گویا دو مخالف سرون کو ترکیب دینا ہوگا نغمہ اور راگ مفرد آوازون یا سرون کا نام ہی، ہر سر بجائے خود دلکش اور دلآویز ہے، لیکن اگر دو مخالف سرون کو باہم ترکیب دیدیا جائے، تو دونون مکروہ ہوجائینگے، راگ کے دلکش اور موثر ہونے کا یہی گر ہے، کہ جن سرون سے اس کی ترکیب ہو ان مین نہایت تناسب اور توازن ہو،

الفاظ بھی چونکہ ایک قسم کی صوت اور سر ہین، اس لئے ان کی لطافت شیرینی اور روانی، اسی وقت تک قایم رہتی ہی جب گرد وپیش کے الفاظ بھی لے مین ان کے مناسب ہون

دبیر کا مشہور مصرع ہے، ع "زیر قدم والدہ فردوس برین ہے" اس مین جتنے الفاظ ہین یعنی، زیر، قدم، والدہ، فردوس، برین، سب بجائے خود فصیح ہین، لیکن ان کے باہم ترکیب

دینے سے جو مصرع پیدا ہوا ہی، وہ اس قدر بھدا اور گران ہو کہ زبان اس کا تحمل نہین کر سکتی، شاید تم کو خیال ہو کہ مصرعہ کی ترکیب چونکہ فارسی ہوگئی ہی، اس لیے ثقل پیدا ہو گیا ہی، لیکن یہ صحیح نہین، سیکڑون شعرون مین اس قسم کی فارسی ترکیبین ہین، لیکن یہ ثقل نہین پایا جاتا، مثلاً میر انیس کہتے ہین ؎

مین ہون سزاِ شباب چمنِ خلد برین　　　مین ہون خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکین

پہلے مصرع مین فارسی ترکیب کے علاوہ توالیِ اضافات بھی موجود ہے، لیکن یہ بھدا پن اور ثقل نہین ہے،

جب کسی مصرعہ یا شعر کے تمام الفاظ مین ایک خاص قسم کا تناسب، توازن، اور توافق پایا جاتا ہی، اور اس کے ساتھ وہ تمام الفاظ بجائے خود بھی فصیح ہوتے ہین، تو وہ پورا مصرعہ یا شعر فصیح کہا جاتا ہے، یہی چیز ہے جس کو بندش کی صفائی، نشست کی خوبی، ترکیب کی دلآویزی برجستگی، سلاست، اور روانی سے تعبیر کرتے ہین، یہی چیز ہے، جس کی نسبت خواجہ حافظ فرماتے ہین ؎

آن را کہ خوانی استاد، گر بنگری بتحقیق　　　صنعت گر است اما شعرِ روان ندارد

الفاظ کے توازن و تناسب سے کلام مین جو فرق پیدا ہو جاتا ہے، وہ ایک خاص مثال مین آسانی سے سمجھ مین آسکتا ہی، میر انیس، حضرت علی اکبرؓ کی اذان دینے کی تعریف ایک موقع پر اس طرح کرتے ہین، ع "تھا بلبلِ حق گو کہ چہکتا تھا چمن مین"

اسی مضمون کو دوسرے موقع پر اس طرح ادا کرتے ہین، ع

بلبل چہک رہا ہو ریاضِ رسول مین

وہی مضمون ہے وہی الفاظ ہین، لیکن ترکیب کی ساخت نے دونون مصرعون مین کسقدر فرق پیدا کر دیا ہی،

ائتلاف الوزن مع المعنی، ترکیب الفاظ کے لحاظ سے شعر کی بڑی خوبی یہ ہے کہ کلام کے اجزا کی جو اصلی ترتیب ہے وہ بحال خود قائم رہے، مثلاً فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، متعلقات، فعل حسب ترتیب کے ساتھ ہر وقت بول چال میں آتے ہیں، یہی ترتیب شعر میں باقی رہے، اگرچہ اسمیں شبہہ نہیں کہ اس ترتیب کا بعینہٖ قائم رہنا قریب قریب ناممکن ہے، صرف ایک آدھ شعر یا بہت سے بہت شعر دو شعر میں اتفاقیہ یہ بات پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً سعدیؒ کے یہ اشعار ؎

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری ۔۔۔ کہ از بوے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ۔۔۔ ولیکن مدتے با گل نشستم
جمال ہمنشین در من اثر کرد ۔۔۔ وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

لیکن چونکہ نظم کا درحقیقت سب سے بڑا کمال یہی ہے کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہیں تو نہ ہو سکے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب شعر میں الفاظ کی وہی ترتیب باقی رہے جو نثر میں معمولاً ہوا کرتی ہے، اس بنا پر شاعر کو کوشش کرنی چاہئے کہ اگر اصلی ترتیب پوری پوری قائم نہیں رہ سکتی، تو بہرحال اس کے قریب قریب پہونچ جائے، جس قدر اس کا لحاظ رکھا جائیگا، اسی قدر شعر زیادہ صاف، برجستہ، رواں، اور ڈھلا ہوا ہوگا، مثلاً یہ اشعار

کچھ تو ہوتے بھی ہیں وحشت میں جنوں کے آثار ۔۔۔ اور کچھ لوگ بھی دیوانہ بنا دیتے ہیں
دل نہیں مانتا جہاں جاؤں ۔۔۔ ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں

(الندوہ ج ۱ ن ۵، رمضان ۱۳۲۲ھ)

نامیہ
۶
۱۳۱
۸
۱

نظم القرآن و جمهرة البلاغة

" عام قیاس یہ ہے کہ صاحبِ کمال، کسی حالت مین گمنام نہین رہ سکتا، تجربہ اور تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتے آئے ہین، لیکن کوئی کلیہ مستثنیٰ سے خالی نہین، مولوی حمید الدین جنکی ایک عجیب و غریب تصنیف کا اس وقت ہم ذکر کرنا چاہتے ہین، اس استثنا کی ایک عمدہ مثال ہین، مولوی صاحب موصوف نے پہلے قدیم طریقہ کے موافق، تعلیم پائی یعنی درسِ نظامیہ کے مطابق فارغ التحصیل ہوئے، پھر مولانا فیض الحسن صاحب سے شرح حماسہ جو میرے بھی استاد ہین، ادب کی تکمیل کی، اس کے بعد انگریزی شروع کی اور مدرسۃ العلوم مین رہکر، بی اے، کی سند حاصل کی، زمانِ طالب العلمی ہی مین سر سید مرحوم کے حکم سے انھون نے سیرتِ نبوی کے متعلق دو کتابین عربی سے فارسی مین ترجمہ کین جو مدرسۃ العلوم کے نصاب دینیات مین شامل ہین، اور چھپکر شائع ہو چکی ہین، مدرسہ سے نکل کر، کراچی کے مدرسۃ الاسلام مین عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اب تک اسی عہدہ پر ہین، ان کا فارسی دیوان چھپکر شایع ہو چکا ہی، لارڈ کرزن، جب ساحل عرب کی مہم پر گئے تھے، تو یہ بھی ساتھ تھے، اور سردارانِ عرب کے سامنے عربی زبان مین لارڈ کرزن کی طرف سے جو تقریر پڑھی گئی، وہ انھین کی لکھی ہوئی تھی، اس قسم کے واقعات مین سے ایک واقعہ بھی انسان کی شہرت کے لئے کافی ہو سکتا ہی، لیکن

مولوی صاحب اب بھی گمنام ہین، ان کی یہی خواہش ہی، اور اگر وہ اس خواہش مین ہمیشہ کامیاب رہین تو ہمارا کوئی ہرج نہین،

لیکن اُن کی جس تصنیف پر ہم ریویو کرنا چاہتے ہین، اس کے متعلق ہم ان کی خواہش کی پیروی نہین کر سکتے، یہ تصنیف (خصوصًا اس زمانہ مین) اسلامی جماعت کے لئے اسی قدر مفید اور ضروری ہے جس قدر ایک تشنہ لب اور سوختہ جان کے لئے آب زلال، اس لئے ہم اس کتاب پر مفصل ریویو لکھنا چاہتے ہین، افسوس ہی کہ مصنف نے یہ کتاب عربی زبان مین لکھی ہی، اور اس لئے عام لوگ اس سے متمتع نہین ہو سکتے، ہم نے اُن سے بارہا کہا کہ اس زمانہ مین جو کچھ لکھنا چاہئے، ملکی زبان مین لکھنا چاہئے، لیکن انکی قدامت پرستی اردو کی طرف ان کو مائل نہین ہونے دیتی، (اور سچ یہ ہی کہ وہ اردو لکھ بھی نہین سکتے) عربی ہونے کی وجہ سے ہم ان کی عبارت کے اصلی اقتباسات نہین دے سکتے بلکہ اسکے مطالب پر اکتفا کرین گے"

نظم قرآن یہ امر صاف نظر آتا ہی، کہ قرآن مجید کی اکثر آیات مین کوئی خاص ترتیب نہین ہی، ایک آیت مین کسی فقہی حکم کا بیان ہی، اس کے بعد ہی کوئی اخلاقی بات شروع ہوجاتی ہے، پھر کوئی قصہ چھڑ جاتا ہی، ساتھ ہی کافرون سے خطاب شروع ہوجاتا ہی، پھر کوئی اور بات نکل آتی ہی، غرض یہ کہ عام تصنیفات کا جو طرز ہے، کہ ایک قسم کے مطالب یکجا بیان کئے جائین، قرآن پاک کا یہ طرز نہین،

اس کے متعلق قدما کی مختلف رائین ہین، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہی کہ چونکہ قرآن مجید مین عرب کے خطبات کا انداز ملحوظ ہی، اور اُن کے خطبے، اسی طرح کے ہوتے تھے، یعنی مختلف مضامین بلا ترتیب بیان کرتے تھے، اس لئے قرآن پاک مین بھی یہی

طرز ملحوظ رکھا ہی، اکثر علما کی یہ رائے ہے، کہ قرآن مجید کی آیتین، مختلف وقتون مین مختلف ضرورتون کے پیش آنے پر نازل ہوتی رہین، اس لیے اُن مین کوئی ترتیب کیونکر قایم ہوسکتی ہی، مثلاً کسی شخص کی مختلف تقریرون کو جو اس نے مختلف وقتون مین کین اگر یکجا قلمبند کر دیا جائے، تو ان مین ترتیب کیونکر پیدا ہوسکتی ہے؟ یہ رائے بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ یہ مسلم ہے کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنی جستہ جستہ نازل ہوا ہی اور ہر سورۃ اور ہر ٹکڑے کا شانِ نزول مختلف ہی، اس لیئے ان مین ترتیب کیونکر قایم رہ سکتی ہی، بعض علمائنے یہ دعوی کیا ہی، کہ قرآن مجید کی تمام آیتون مین ابتدا سے لیکر انتہا تک، ترتیب اور تناسب ہی، بقاعی نے اس کے ثبوت مین مستقل تفسیر لکھی ہی، جسکا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور رکھا ہی، لیکن اس کے مطالب جو تفسیرون مین نقل کئے ہین، ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ زبردستی تناسب پیدا کیا ہے، اور اس قسم کا تناسب دنیا کی نہایت مختلف بلکہ متناقض چیزون مین بھی پیدا ہوسکتا ہی،

مولوی حمید الدین صاحب نے اسی مسئلہ پر یہ کتاب لکھی ہی، وہ اسی اخیر رائے کے مدعی ہین، یعنی، یہ کہ ایک سورہ مین جسقدر آیتین ہین، ان مین ضرور کوئی قدر مشترک ہے، اور اس لحاظ سے وہ سب آیتین باہم متناسب ہین،

ان کا دعوی ہی کہ جس طرح ہر کتاب کا کوئی خاص موضوع (سبجکٹ) ہوتا ہی اسیطرح ہر سورۃ کا ایک خاص موضوع ہی، اور تمام آیتین بالذات یا بواسطہ اسی موضوع سے متعلق ہوتی ہین، ان کا عام استدلال یہ ہے کہ اگر ایک سورۃ کی آیتون مین باہم اس قسم کا تناسب نہین ہے، تو اس کی کیا وجہ ہی کہ جب کوئی سورہ نازل ہونی شروع ہوتی تھی، اور مختلف وقتون مین مختلف آیتین نازل ہوتی تھین، تو آنحضرت صلعم حکم دیتے تھے کہ ان آیتون کو اس سورۃ

مین داخل کرتے جاؤ، پھر ایک حد تک پہونچ کر آپ فرماتے تھے کہ اب یہ سورہ ختم ہوگئی، اور اسکے بعد دوسری آیت شروع ہوتی تھی، اگر یہ آیتین اس سورہ سے کوئی خاص مناسبت نہین رکھتی تھین، تو ان آیتون کو انھین سورتون مین داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی، بلکہ سورتون کی تحدید اور تخصیص بھی بے کار تھی، اس سے بڑھکر یہ کہ روایات سے یہ ثابت ہو کہ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ دو سورتین ساتھ ساتھ نازل ہو رہی ہین، اور جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلان سورۃ مین داخل کرو، پھر دوسری آیت نازل ہوتی تھی، تو فرماتے تھے کہ اس کو دوسری سورت مین شامل کرو، اگر اس آیت کو اس سورہ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہین تھی تو جس آیت کو جس سورہ کے ساتھ چاہتے شامل کر دیتے اس بنا پر مصنف نے تمام سورتون مین تناسب کا دعوی کیا ہو، اور نہایت دقت نظر سے ہر جگہ اسکو ثابت کیا ہو،

کتاب کا اصلی موضوع اسی قدر تھا، لیکن اس بحث کے ضمن مین، قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی بحث بھی آگئی، مصنف ان کتابون سے واقف تھا، جو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر لکھی گئی ہین لیکن اس کو نظر آیا کہ یہ تمام کتابین ناتمام ہین، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کا جو فن مرتب کیا گیا تھا، وہ خود ناتمام تھا، اور تمام لوگون نے اسی فن کے موافق قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ثابت کی تھی،

اس بنا پر مصنف نے اصل فن پر توجہ کی، اور اسکو ایک نہایت وسیع پیمانہ پر نئے سرے سے ترتیب دیا، اور فصاحت و بلاغت کے بہت سے جدید اصول قائم کئے، اس طرح ایک اور مستقل کتاب تیار ہوگئی جسکا نام انھون نے جمہرۃ البلاغۃ رکھا، اس کتاب کی تمہید مصنف نے اس طرح شروع کی ہے:۔

فنِّ بلاغت

علماے اسلام نے جب یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن مجید بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ پہلے بلاغت کے اصول اور قواعد مرتب کر دیئے جائین، اس کا اصلی طریقہ یہ تھا کہ خود کلام عرب کا تتبع کیا جاتا، اور بلاغت کی جزئیات کا استقصا کر کے اسکے اصول اور ضوابط منضبط کیے جاتے لیکن جس زمانہ مین یہ کوشش کی گئی، اس وقت عجم کے علوم و فنون کا اثر مسلمانون پر غالب آگیا تھا، اس لئے مسلمانون نے جس طرح اور علوم و فنون یونان اور فارس سے اخذ کیے اس فن کے مسائل بھی انھین کی تحقیقات کے موافق مرتب کیے عجم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان تشبیہ اور بدیع ہین، اس لئے علماے اسلام نے بھی انھین چیزون کو مہتم بالشان قرار دیا حالانکہ اہلِ عرب کے نزدیک بدیع ایک لغو چیز ہے اور تشبیہ چندان قابلِ اعتنا نہین،

علماے اسلام نے فنِ شعر اور بلاغت کی بنیاد، ارسطو کی کتاب پر قائم کی، ارسطو اگر عرب مین پیدا ہوا ہوتا، اور کلامِ عرب کے تتبع اور استقرا کی بنا پر اس فن کی بنیاد قائم کرتا تو یقیناً اس مقصد مین کامیاب ہوتا لیکن وہ یونان مین پیدا ہوا اور تربیت پائی یونانیون ہی کا کلام اس کے پیشِ نظر رہا، اس لیے شاعری اور فنِ بلاغت کے جو اصول اس نے قائم کیے، یونانی شعرا کے کلام سے مستنبط کر کے قائم کیے، یونان مین شعر کا جو بہتر سے بہتر نمونہ سمجھا جاتا تھا وہ ہومر اور سوفکلیس کی شاعری تھی، ان دونون نے شاعری کی بنیاد مصنوعی قصون اور حکایتون پر رکھی تھی،

فنونِ لطیفہ کی تدوین کا عام قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز کا حسن عام طور پر مسلم الثبوت

ہوتا ہی، اُس پر نظر ڈالتے ہین، اور اس کے اجزا کی تحلیل کرتے ہین یعنی یہ کہ اسمین کیا کیا باتین پائی جاتی ہین، پھر انھین چیزون کو محاسن قرار دیکر کلیات قائم کر لیتے ہین،

یونان مین ہومر اور سوفکلیس کا کلام، فصاحت و بلاغت مین بے نظیر تسلیم کیا جاتا تھا، ارسطو نے تحلیل کر کے دیکھا تو اُن کا کلام تمامتر حکایتین اور افسانے تھے، اس نے یہ بھی دیکھا کہ یہ حکایتین واقعی نہین ہین، بلکہ اکثر مصنوعی اور فرضی واقعات ہین، اس سے اسکو خیال پیدا ہوا کہ کلام کی اصلی خوبی صرف یہ ہے، کہ کسی واقعہ کی تصویر کھینچی جائے، واقعہ فی نفسہ صحیح ہو یا نہ ہو، اس سے غرض نہین، ارسطو نے یہ بھی دیکھا کہ دو چیزین فی نفسہ بد صورت اور کریہ المنظر ہین، انکی بھی اگر بعینہ تصویر کھینچدی جائے تو طبیعت کو مزہ آتا ہی، اس سے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن اگر اس طرح ادا کر دیا جائے کہ اس کی تصویر آنکھون مین پھر جائے، تو حسن کلام حاصل ہو جائے گا، اس خیال کی امور ذیل سے اور بھی تائید ہوتی ہی،

انسان مین محاکات کا مادہ تمام اور حیوانات سے زیادہ پایا جاتا ہے، بچہ وہی کام کرتا ہی، جو اورون کو کرتے دیکھتا ہی، اس بنا پر کسی واقعہ کی تصویر کھینچنا، انسان کی اصلی فطرت کا اقتضا ہی،

علم فی نفسہ ایک مرغوب چیز ہے، اور کسی واقعہ کا بیان کرنا بھی ایک طرح کا علم ہی اس بنا پر واقعہ نگاری مرغوب عام ہی،

ان وجوہ کی بنا پر ارسطو نے محاسن کلام کی تمام تر بنیاد انھین دو اصولون پر رکھی اور ان کے خلاف جو باتین نظر آئین، انکو رد کر دیا، سوفاکلیس پر لوگون نے اعتراض کیا تھا کہ تم نے لوگون کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی، وہ اصل کے مطابق نہین

سوفا کلیس نے کہا کہ :۔

"مین نے انکا ویسا حلیہ بیان کیا، جیسا ہونا چاہیئے، نہ کہ جیسا انکا واقعی حلیہ ہو"

سوفا کلیس کا یہ جواب، اگرچہ غلط ہو، لیکن ارسطو اسکو اپنے اصول کے موافق پسند کرتا ہے، یونان مین شاعری سے جو کام لیا جاتا تھا وہ صرف مذاقیہ جلسون کا گرم کرنا ہوتا تھا، شعرا عموماً مذاقیہ مصنوعی قصے نظم کرتے تھے، یہان تک کہ شاعر سخن ساز اور دروغ باز کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس بنا پر ارسطو نے یہ اصول قائم کیا کہ شاعری کا اصلی مقصد لطف انگیزی ہو، اور اسی بنا پر اس کی رلے ہے کہ اگر راست گوئی سے یہ مقصد حاصل نہو تو شاعر کو، واقعہ کا گھٹانا بڑھا دینا جائز ہو،

علماے اسلام نے چونکہ بنیاد فن، ارسطو کے اصول پر قائم کی، اس لئے تمام مسائل مین وہی ارسطو کے خیالات کا اثر پایا جاتا ہو، ارسطو نے جھوٹے طلسم باندھنے کو کمال شاعری قرار دیا تھا، علماے اسلام نے بھی یہ اصول قرار دیا کہ احسن الشعر اکذبہ یعنی اچھا شعر وہ ہے، جس مین زیادہ جھوٹ ہو، ارسطو کے نزدیک بلاغت مصوری کا نام ہے، اس لئے علمائے اسلام کے نزدیک بھی بلاغت کی اصلی روح وروان، تشبیہ و تمثیل ہو، کیونکہ تشبیہ بھی درحقیقت ایک قسم کی مصوری ہو چنانچہ عبد القاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ مین لکھا ہو کہ بلاغت کے مہمات مسائل، تشبیہ ہی سے متفرع ہین،

ایک اور امر نے علماے اسلام کو خیال دلایا کہ بلاغت اور شاعری مین جھوٹ کو سچ پر ترجیح ہو، انھون نے دیکھا کہ استعارہ تشبیہ سے زیادہ لذیذ اور لطیف ہوتا ہو، مثلاً ان دونون فقرون مین "زید، شیر کے مشابہ ہو" "زید، شیر ہے"

پہلا، تشبیہ اور دوسرا استعارہ ہے، اور یہی دوسرا فقرہ زیادہ پرزور اور بلیغ ہے،

اب ان دونون فقرون کو دیکھا تو نظر آیا کہ پہلا فقرہ، واقعیت کا پہلو رکھتا ہی، کیونکہ ایک شجاع شخص، دلیری اور بہادری مین شیر کا مشابہ کہا جاسکتا ہی، لیکن دوسرا فقرہ تمامتر مبالغہ اور جھوٹ ہے، اس بنا پر یہ رائے قائم ہوئی کہ بلاغت اور شاعری مین جو زور یا لطف پیدا ہوتا ہی، وہ مبالغہ اور جھوٹ سے پیدا ہوتا ہی، ان خیالات نے تمام لٹریچر کو مبالغہ اور کذب سے بھر دیا،

ارسطو کے دونون مذکورۂ بالا اُصول غلط ہین، ارسطو کا یہ خیال کہ انسان مین محاکات[1] کا مادہ تمام جانورون سے زیادہ ہی، محض غلط ہی، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جانور اور انسان دونون مین محاکات کا مادہ ہی، تاہم یہ فرق ہوگا کہ انسان صرف انسانون کی محاکات کرتا ہے بخلاف اس کے بندر، تمام حیوانات اور انسانون کی محاکات کرتا ہی، آدمی کا بچہ جانورون کو بھی بولتے دیکھتا ہی، لیکن انکی بولی کی مطلق نقل نہین کرتا، بخلاف اس کے ہزار داستان یا مینا، ہر جانور کی بولی بولنے لگتی ہی، آدمی کا بچہ، جو اپنے مان باپ، بھائی کے اقوال و افعال کی نقل کرتا ہے، وہ اس بنا پر نہین، کہ اس کی فطرت مین محاکات کی قوت ہے بلکہ اسکی وجہ یہ ہی کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہی، تو اسمین تمام خصائل انسانی بالقوہ موجود ہوتے ہین، یہ خصائل نمونہ اور مثال کے دیکھنے سے ابھرتے اور ظہور کرتے ہین، بچہ پیدا ہوتے کے ساتھ دودھ پینا شروع کرتا ہی، اس نے پہلے کسی کو دودھ پیتے نہین دیکھا تھا، لیکن چونکہ خدا نے اسکی فطرت مین یہ قوت ودیعت رکھی ہی، اس لئے وقت معین پر خود بخود اسکا ظہور ہوتا ہے، اسی طرح انسان کو جو قوتین عطا ہوئی ہین، وقتاً فوقتاً خود انکا ظہور ہوتا ہی،

[1] محاکات کا لفظ ارسطو کی تحریر مین بار بار آیا ہے، اسلئے اس کے معنی اچھی طرح ذہن نشین کر لینے چاہئین محاکات کے معنی کسی چیز کی نقل اتارنا یا صورت کھینچنا ہے،

نمونہ اور مثال سے اس قوت کو صرف تحریک ہوتی ہے، نہ یہ کہ یہ افعال محاکات کی فطرت کی وجہ سے وجود مین آتے ہین،

ارسطو کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ بلاغت کا مدار کذب سخن سازی، اور مبالغہ پر ہے، چنانچہ اس کی حقیقت آگے چل کر واضح ہوگی،

ارسطو کے خیالات کے رد کرنے کے بعد مصنف نے خود اس مسئلہ پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، کہ نطق اور بلاغت کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کے کیا اصول و شرائط ہین، انکی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

انسان فطرۃً ناطق پیدا کیا گیا ہے، انسان اور دیگر تمام جانورون مین، جو چیز اصلی مایہ الامتیاز ہے، اور جس کو منطق کی اصطلاح مین فصل کہتے ہین، یہی نطق ہے، لیکن نطق سے آواز یا لہجہ یا راگ مقصود نہین، یہ چیزین بلبل اور طوطی مین بھی پائی جاتی ہین، اور انسان سے بڑھکر پائی جاتی ہین بلکہ نطق سے یہ مراد ہے کہ دل مین جو خیالات آئین ان کا اظہار کر سکے، عقل کا کام سوچنا اور غور و فکر کرنا ہے، غور و فکر سے جو خیال پیدا ہوتا ہے، عقل جب اس کو ظاہر کرنا چاہتی ہے تو نطق ہی کے ذریعہ سے کر سکتی ہے، اسی لئے نطق عقل کا آلہ ہے،

ارسطو کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ انسان کی اصلی فضیلت اور اس کا اصلی خاصہ محاکات قرار دیتا ہے، حالانکہ یہ خاصہ محاکات نہین، بلکہ نطق ہے، محاکات بھی نطق ہی کا ایک نتیجہ ہے، انسان مین قوت نطق نہ ہوتی تو محاکات بھی نہ ہوتی،

نطق کا کمال دو چیزون پر منحصر ہے، خیالات اور مطالب صحت اور خوبی سے ادا کئے جائین، جو مطالب ادا کئے جائین، خود بھی عمدہ اور صحیح ہون،

ارسطو اور پیروانِ ارسطو کے نزدیک یہ دوسری شرط ضروری نہین، ان کے نزدیک نطق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مضمون کو بعینہ ادا کرے، مضمون فی نفسہ برا ہو یا بھلا اس سے غرض نہین،

ابو جعفر قدامہ نقد الشعر مین لکھتا ہے کہ

"اگر کسی شعر مین کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس سے شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہین پڑتا"

شعر کی خوبی کے لئے اسی قدر کافی ہے کہ جو مضمون ادا کیا گیا، کس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہے، اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہے، اس لئے اس کو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہین، یہ مسلّم ہے کہ نطق صرف آواز اور صوت کا نام نہین ہے بلکہ دو چیزون کے مجموعہ کا نام ہے آواز اور معنی اور جب تک ان دونون مین حسن نہ پایا جائے، نطق کا کمال نہین ہو سکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک ٹانگ کا لنگڑا ہو تو حسین نہین کہا جا سکتا،

حسنِ کلام کی بھی یہی حالت ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک عمدہ اور پر اثر مضمون نحو وصرف کی معمولی پابندیون مین مقید رہکر ادا نہین ہو سکتا، اس حالت مین الفاظ، مضمون کا حجاب بنجاتے ہین، اور اس وجہ سے مضمون، اس حجاب کو چاک کرکے دل مین اتر جاتا ہے اسکی یہ مثال ہے کہ کوئی بادشاہ ضرورت کے وقت آداب سلطنت چھوڑ کر خود سفیر بنکر جائے اور اپنا پیغام خود پہونچا آئے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسنِ کلام، الفاظ کا پابند نہین ہے بلکہ یہ کہ بلیغ دراصل مضمون ہوتا ہے، نہ الفاظ، لغت مین بلیغ کے معنی "پہونچنے والے" کے ہین، اور جو چیز دل مین پہونچتی ہے، وہ دراصل معانی ہین نہ الفاظ،

اس تمہید کے بعد، اس بات پر لحاظ کرو کہ جب کوئی مضمون فی نفسہٖ بیہودہ اور لغو ہوتا ہی تو گو کیسے ہی فصیح اور شستہ الفاظ مین ادا کیا جائے، دل مین جگہ نہین کرتا، بلکہ اچٹ جاتا ہی، ممکن ہی کہ اس قسم کے مضمون سے کسی احمق اور بدمذاق کو مزا آئے، لیکن کلام کی حسن وخوبی کا فیصلہ احمقون کے مذاق کے رو سے نہین ہو سکتا، غرض ان اسباب سے کلام مین جب تک مضمون اور معنی کی خوبی نہ ہو، دل مین نہین اتر سکتا، اور اس بنا پر اسکو بلیغ بھی نہین کہہ سکتے، یہی وجہ ہے کہ شعرائے عرب، کلام کی تعریف حسنِ مضمون کے لحاظ سے کرتے ہین،

زہیر بن ابی سلمی کہتا ہی،

وذی نعمۃ تممتہا وشکرتہا	وخصم یکاد الحق یغلب باطلہ
دفعت بمعروف من القول صائب	اذا ما اضل الناطقین مفاصلہ
وذی خطل فی القول یحسب انہ	مصیب فما یلمم بہ فھو قائلہ
عبأت لہ حلما واکرمت غیرہ	واعرضت عنہ وھو باد مقاتلہ

قرآن مجید مین جہان بلیغ کا لفظ آیا ہی، اسی معنی مین آیا ہی، مثلاً قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا، یعنی اے محمدؐ! ان لوگون سے ایسی بات کہہ جو بلیغ ہو، یعنی ان کے دل مین اتر جائے، اسی طرح اس آیت مین بھی وللہ الحجۃ البالغۃ یہی معنی مراد ہین، حاصل یہ کہ جو مضمون جس قدر زیادہ دلنشین اور دلپذیر ہوگا اسی قدر زیادہ بلیغ ہوگا،

ایک اور واضح مثال سے یہ نکتہ ذہن نشین ہو سکتا ہی، فرض کرو ایک شخص کسی آدمی کو گالیان دیتا ہے، اور گالیون مین ہر قسم کی سخن آرائی، لفاظی، جدت پسندی، استعارہ بندی، صرف کرتا ہی، الفاظ بھی نہایت شستہ با محاورہ اور فصیح ہین تو کیا تم

اس شخص کو فصیح و بلیغ کہوگے!!

اس تمام تقریر سے امورِ ذیل ثابت ہوئے، کلام کی خوبی، صرف محاکات کا نام نہیں کلام کی غرض و غایت صرف، سامعین کو محظوظ کرنا نہیں بلکہ عقل کی سفارت اور پیغامبری ہے، کلام سے جو لذت حاصل ہوتی ہے، وہ اس لئے نہیں کہ کلام ایک قسم کی محاکات ہے اور محاکات، انسان کی فطرت مین داخل ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے، کہ نطق ایک قوت ہے، اور ہر قوت کے استعمال مین انسان کو خواہ مخواہ مزہ آتا ہے، انسان کا اصلی خاصہ محاکات نہین بلکہ نطق ہے، کلام کی خوبی سچائی پر موقوف ہے،

ان مقدمات سے معلوم ہوگا کہ بلاغت جس چیز کا نام ہے، وہ عقل کی دست دبازو انسانیت کا عنصر، راستی کی مترجم اور فخر کا تاج ہے، وہ اس رتبہ کی چیز ہے، کہ ایک پیغمبر اولو العزم کا معجزہ قرار پائے، اسی کا اثر تھا، کہ قرآن مجید کے اعجاز نے اعجازِ موسوی کو بے حقیقت کردیا، عصائے موسوی کا معجزہ، یہودیوں یا قبطیوں کو غلامی کی حد سے آگے نہ بڑھا سکا، لیکن اعجازِ قرآنی نے لوگوں کو حضیضِ خاک سے اٹھاکر آسمان تک پہونچادیا،

لیکن اگر بلاغت کی وہ حقیقت ہو جو ارسطو نے بیان کی، تو نعوذ باللہ، وہ کسی پیغمبر کا معجزہ کیا قرار پاسکتی ہے!

بلاغت کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنے کے بعد اب ہم اس کے اصول اور آئین مرتب کرنا چاہتے ہین، لیکن چونکہ بلاغت کا بہت بڑا مظہر، شاعری اور خطبہ پردازی ہے، اس لئے پہلے ہم ان دونون کی حقیقت سے بحث کرتے ہین،

شاعری اور خطابت اگرچہ بلاغت کی حیثیت سے برابر کے شریک ہین، تاہم ان دونون مین بہت بڑا فرق ہے، شاعری کی حقیقت خود شاعری کے لفظ سے اچھی طرح سمجھ

ہین ہوسکتی ہی، اہل عرب چونکہ شاعری کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے، اس لئے انھون نے اسکا نام بھی ایسا رکھا جو خود شعر کی حقیقت پر دلالت کرتا ہی، شاعر کے لفظی معنی، صاحب شعور کے ہین، شعور احساس (فیلنگ) کو کہتے ہین یعنی شاعر وہ شخص ہی جسکا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتین طاری ہوتی ہین، مثلاً، رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا، یہ حالتین جب انسان پر غالب ہوتی ہین تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتے ہین، مثلاً رونے کی حالت مین آنسو جاری ہوتے ہین، ہنسنے کے وقت ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہی، انگڑائی کی حالت مین، اعضا تن جاتے ہین، اسی طرح شعر بھی ایک خاص احساس کا نام ہی، شاعر کی طبیعت پر رنج یا خوشی یا غصہ یا استعجاب کے طاری ہوتے ہی ایک خاص اثر پڑتا ہی، یہ اثر الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہی، اسی کا نام شاعری ہی، شاعر کا احساس اورون کے احساس سے قوی ہوتا ہی لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ اسکو اورون کی بہ نسبت، زیادہ رنج یا زیادہ خوشی ہوتی ہی، بلکہ اس کے یہ معنی ہین کہ احساس کے وقت اس کی تمام قوتین جوش مین آجاتی ہین، احساس اس کی قوت متخیلہ کو، نطق کو، آواز کو، لہجہ کو، سب کو یکبارگی مشتعل کر دیتا ہی، شاعر گویا نودمیدہ سبزہ ہی، کہ جب اسپر پانی پڑتا ہی تو رگ رگ مین سرایت کر جاتا ہی اور وہ لہلہانے لگتا ہی؛

خطیب (لکچرار) کا احساس بھی شاعر کے احساس سے کم نہین ہوتا لیکن خطیب اس احساس سے مغلوب نہین ہوتا، اس کی غرض، دوسرون پر اثر ڈالنا ہوتا ہی، وہ اپنے احساس کو قابو مین رکھ سکتا ہی، اور اس سے اسی حد تک اور اسی ترتیب اور مناسبت سے کام لیتا ہی جہان تک اورون کے متاثر کرنے مین کام آئے، شاعر کو صرف موجودہ حالت سے کام ہوتا ہی لیکن خطیب یہ بھی دیکھتا ہی کہ آیندہ کیا ہوگا، اس بنا پر خطیب، شاعر کی بہ نسبت، زیادہ عاقل

زیادہ ذکی النفس، زیادہ عالی منزلت ہوتا ہی، اور اسی بنا پر اہلِ عرب شعر کو جادوگری، اور خطبہ کو حکمت کہتے ہین،

عام لوگون کا خیال ہی، کہ شاعری کا اصلی عنصر تشبیہات اور استعارات ہین چنانچہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے مواعظ کو اس بنا پر ایک قسم کی شاعری سمجھتے ہین، کہ وہ تشبیہات سے مملو ہین لیکن یہ خیال بالکل غلط ہی، شاعر کی اصلی خصوصیت یہ ہے کہ وہ نہایت سریع الانفعال اور موسیقی الطبع ہوتا ہی جب اس پر کوئی خاص اثر طاری ہوتا ہی، تو نغمہ، وزن، رقص کی قوتین جو اسمین فطری ہوتی ہین، دفعۃً تحریک مین آجاتی ہین،

حضرت داؤدؑ پر جب خدا کے احسانات کا اثر غالب آتا تھا تو بے ساختہ وہ وجد مین آکر رقص کرنے لگتے تھے، انکا کلام جس قدر ہی، سرتاپا شعر ہے، جو انکے پرجوش دل سے بے ساختہ نکلتا تھا، اسی بنا پر اُن کے اشعار کو مزامیر کہتے ہین، بخلاف ان کے حضرت عیسیٰؑ پر شاعرانہ احساس غالب نہ تھا، اس لئے ان کے کلام مین شاعری کے بجائے حکمت اور فلسفہ ہوتا تھا،

ارسطو نے اس بحث مین بھی سخت غلطی کی ہی، وہ کہتا ہی کہ شاعری کے جذبہ کے وقت انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہی، اس کی وجہ یہ ہے، کہ نغمہ اور رقص ایک قسم کی محاکات ہی یعنی انسان کے دل مین جو جذبات پیدا ہوتے ہین، آواز اور حرکات کے ذریعہ سے وہ انکی تصویر کھینچتا ہے چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہین، حرکاتِ رقص کے ذریعہ سے اسکو بتاتے بھی جاتے ہین،

لیکن یہ خیال غلط ہی، اصل حقیقت یہ ہے کہ جذباتِ انسانی مثلاً رنج، خوشی، خوف، تعجب، شوق، نفرت، یہ چیزین، انسان کے دل مین ایک نہایت پرزور حرکت پیدا کر دیتی ہین، یہی حرکت آواز یا راگ، یا رقص، یا تڑپ بنجاتی ہی، مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہے تو دل مین ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہی، یہی حرکت ہنسی بنجاتی ہے، اور چونکہ یہ تاثرات

حرکاتِ نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین، اس لئے وہ حرکاتِ نفسانی پر اسی طرح دلالت کرتے ہین، جس طرح، الفاظ معانی پر دلالت کرتے ہین،

غرض جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہی اسی طرح یہ اشارات و حرکات بھی فطری ہین، جو بے اختیار سرزد ہوتے ہین، وہ محاکات کی غرض سے نہین کئے جاتے گو یہ ممکن ہی کہ محاکات کا مقصد، اس سے حاصل ہو جائے،

اس موقع پر پہونچکر ایک اور عام غلطی کا رفع کر دینا بھی ضرور ہی، اکثر لوگ، شعر اور نثر بلیغ کو ایک سمجھتے ہین، چنانچہ قدما مین ارسطو اور متاخرین مین جان مل کا یہی مذہب ہی، ارسطو کا خیال ہے، کہ محاکات کے مختلف طریقے ہین، اور خود کلام، جو محاکات کا ایک خاص طریقہ ہی اس مین محاکات کے تین ذریعہ پائے جاتے ہین، وزن، الفاظ، نغمہ یہ چیزین تنہا اور کبھی مل کر، وارداتِ قلبی کی تصویر کھینچتی ہین، یہی محاکات شعر ہے، یہ محاکات کبھی صرف الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے، جس طرح سقراط کا مکالمہ اور کبھی الفاظ اور نظم دونون کے ذریعہ سے وزن شعر کے لئے کوئی ضروری چیز نہین، لیکن عام لوگون نے اس کو شاعری کا ضروری جز قرار دیدیا ہے،

ارسطو کا خیال اس حد تک صحیح ہے کہ وزن پر شعر کا مدار نہین، لیکن اس کے یہ معنی نہین کہ وزن شعر کے اجزا مین داخل نہین، وزن شعر کا جز ہے لیکن چونکہ کل کے لئے محض ایک جز کافی نہین ہوتا، اس لئے تنہا وزن سے شعر نہین بن سکتا لیکن ارسطو کی یہ غلطی ہے کہ وہ سقراط کے مکالمہ اور ہومر کے کلام، دونون کو شعر قرار دیتا ہی،

جان مل کی رائے اس حد تک صحیح ہے کہ شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہے اور یہ کہ شاعر دوسرون کو نہین بلکہ صرف اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہی، اس تشریح سے جان مل

نے شاعر کو خطیب سے الگ کر دیا، اور اس بنا پر وہ سقراط کے مکالمہ کو شاعری نہین کہتا، لیکن
جان مل نے بھی یہ غلطی کی کہ وہ وزن کو شعر کا کوئی ضروری جز نہین قرار دیتا،

اب دوبارہ غور کرو کہ شعر کس چیز کا نام ہے، انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے
تو کسی نہ کسی ذریعہ سے ظاہر ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ انسان کی تمام قوتون مین سے
نطق سب سے زیادہ قوی اور اسی کی مخصوص قوت ہے، اس لئے یہ جذبہ، نطق ہی کے ذریعہ
سے ظاہر ہوتا ہے، جس طرح کہ حیوانات کے جذبات مختلف قسم کی آوازون سے ظاہر ہوتے
ہین، مثلاً شیر کا ہمہمہ، طاؤس کی جھنکار، کویل کی کوک وغیرہ وغیرہ بعض وقت یہ جذبہ موزون
حرکات کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے، مثلاً طاؤس اور کبوتر کا رقص، یا راگ سننے کے وقت
سانپ کا لہرانا، قدرت نے جن اشخاص کو نطق اور نطق کے ساتھ نغمہ کی بھی قوت دی ہے
اس سے جذبات کی حالت مین شعر ادا ہوتے ہین، اور ساتھ ہی وہ غنغنانے بھی لگتا ہے
اور جب جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے، تو رقص کے حرکات بھی سرزد ہونے لگتے ہین، اس بنا پر
شعر، وزن، نغمہ اور رقص کے مجموعہ کا نام ہے، لیکن چونکہ یہ چیزین جذبات کے کمالِ شدت
کے وقت پیدا ہوتی ہین، اس لئے ہر شعر مین ان چیزون کا پایا جانا ضروری
نہین، تاہم کوئی شعر نغمہ اور راگ سے بالکل خالی نہین ہو سکتا، خود وزن جو شعر کا ایک ضروری جزو ہے، راگ
کی ایک قسم ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ شعر کو گا کر پڑھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ شعر پڑھنے کو اہل عرب انشاد
کہتے ہین جسکے معنی گانے کے ہین، اب تم نے سمجھا ہوگا کہ شعر کو وزن سے، نغمہ سے، رقص سے کیا تعلق ہے، درحقیقت
یہ سب ایک ہی مخرج سے نکلے ہین، البتہ وزن کو شعر سے بہ نسبت نغمہ اور رقص کے زیادہ قوی تعلق ہے، اور اسی وجہ
سے ہمیشہ لوگ وزن اور شعر کو ایک چیز سمجھتے آئے ہین،

اس بحث کے بعد مصنف نے بلاغت کے اصول اور قواعد اور جزئیات بیان کئے ہین اسکو ہم آیندہ پرچے کیلئے اٹھا رکھتے ہین،

شعر العرب

رجحانِ طبع کی اور بات ہی، ورنہ یہ ظاہر ہے کہ اقتضاے حالات کے لحاظ سے مجھکو شعر العجم
سے پہلے شعر العرب لکھنا چاہئے تھا، بلکہ سچ یہ ہی کہ قومی ضروریات کی فہرست مین شعر العجم کا
نام سیکڑون نمبرون کے بعد آنے کی چیز ہے، لیکن کیا کیا جائے؟ شعر العرب لکھتا تو سمجھنے والے
کہان سے آتے؟ مدرسون مین فن ادب کا مذاق نہین، اور کالج والے عربی خود نہین پڑھتے
بلکہ یہ لقمہ زبردستی ان کے منہ مین ڈالا جاتا ہی، جس کو امتحان کے بعد وہ اگل دیتے ہین،
یہ سب کچھ سہی لیکن یہ کانٹا مرتے دم تک دل سے نہین نکل سکتا، کہ عربی شاعری اس قدر
وسیع پر اثر اور قومی جذبات سے لبریز اور اس کے متعلق ہماری زبان مین ایک حرف بھی
نہین زیادہ افسوس یہ کہ شعر العرب کے لئے کچھ بہت زیادہ کد و کاوش کی ضرورت
نہین، کسی قدیم تصنیف کو سامنے رکھ لیا جائے اور انھین عنوانون کو کچھ پھیلا کر، کچھ نئے
مذاق کا رنگ چڑھا کر لکھ دیا جائے، تو اچھی خاصی تالیف ہو جائیگی، اس قسم کی قدیم
تصنیفون مین سب سے بہتر اور سب سے جامع ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ ہی، اسکا
نسخہ ہندوستان مین موجود نہ تھا، مدت ہوئی مین نے بہ صرف کثیر مصر کے کتبخانہ سے لکھوا
کر منگوایا تھا، لیکن وہ ایک دوست کی نذر ہوا، اور شاید ایشیا سے یورپ مین پہونچ گیا،
اتفاق سے اب کی ڈاک مین جو مصری کتابین آئین ان مین کتاب العمدہ کا بھی
ایک نسخہ تھا، یار گم گشتہ کے ملنے سے جو خوشی ہوئی اس کا بیان نہین ہو سکتا، شعر العرب

کی یاد پھر تازہ ہوگئی، کتاب تو جب لکھی جائیگی لکھی جائیگی، لیکن سردست اس کتاب کا ریویو لکھتا ہون جس سے شعر العرب کی داغ بیل پڑ جائیگی، اسی پر کبھی عمارت بھی بنجائیگی اور مین اس کام کو نہ کر سکون گا تو کوئی اور خدا کا بندہ پیدا ہو جائے گا ع

مردے از غیب برون آید و کارے بکند

ابن رشیق افریقیہ کا رہنے والا تھا، اس کا باپ ایک رومی غلام تھا، اور زرگری کا پیشہ کرتا تھا، باپ نے ابتدا مین خاندانی پیشہ سکھلایا، لیکن اس نے اسی کے ساتھ علوم ادبیہ کی بھی تحصیل کی، اور یہ مذاق غالب آیا کہ ۴۰۶ھ مین قیروان گیا جو افریقیہ کا دار العلم تھا یہان اس نے ان علوم کی تکمیل کی لیکن جب وحشی عربون نے اس شہر کو برباد کر دیا تو وہ سسلی چلا آیا اور مازر مین قیام کیا، ۴۶۳ھ مین وفات پائی،

ادب مین اس کی بہت سی تصنیفات ہین لیکن سب کی سرتاج کتاب العمدہ ہے جو ہمارے مضمون کا عنوان ہی، علامہ ابن خلدون نے اس کتاب کی نسبت لکھا ہی کہ اس فن مین کوئی کتاب اس درجہ کی نہین لکھی گئی، اس کتاب کا موضوع اگرچہ عرب کی شاعری اور اس کے اصول اور آئین ہین لیکن چونکہ اس وقت تک زبان یا شاعری کی تاریخ اور اصول و آئین کا منضبط کرنا کوئی فن نہین قرار پایا تھا اس لئے مصنف نے شاعری کے اصول پر کم اور صنائع و بدائع پر زیادہ لکھا ہی، تاہم جو کچھ لکھا ہی کسی قدر ترتیب بدل دینے سے مذاق حال کے سانچہ مین ڈھل سکتا ہی، اور ہم اس وقت ریویو مین یہی مقصد پیش نظر رکھتے ہین،

شاعری کی ابتدا عرب کا ملک ہزارون برس سے موجود ہی اس کا تمدن بھی کچھ نوعمر نہین تاہم تعجب ہی کہ شاعری کا پتہ اسلام سے سو ڈیڑھ سو برس آگے نہین چلتا ہے

پہلا شاعر جس سے قصیدہ کی ابتدا ہوئی مہلہل بن ربیعہ ہی جو امراء القیس کا ماموں تھا، فرزدق کہتا ہی، ع ومهلهل الشعراء ذاک الاول،

امراء القیس آنحضرت صلعم سے تقریباً ۸۰ برس پہلے تھا، اس لئے مہلہل کا زمانہ بھی اس کے قریب قریب سمجھ لینا چاہئے، یہ بات عرب کی تاریخ کا طغرائے زرین ہی کہ وہان شاعری کی ابتدا شریفانہ اور مردانہ جذبات سے ہوئی، ایران کی طرح مداحی اور خوشامد گوئی مین اس کی زبان نہین کھلی، عرب ہمیشہ سے جنگجو، بہادر، مہمان نواز، سیر چشم، غیور، اور بلند ہمت تھے، انھین باتون کو نظم مین ادا کرتے تھے، اور یہی ان کی شاعری تھی، کوئی قبیلہ کسی شاعر کی خانہ جنگیون مین کسی قسم کی مدد کرتا تھا تو شکریہ کے ساتھ اس کا ذکر کرتے تھے مثلاً امراء القیس نے بنو تیم کی مدح مین کہا،

اقرّ حشا امرءِ القیس بن حجر بنو تیمٍ مصابیح الظلام

سب سے پہلا شخص جس نے بادشاہ کی مدح لکھی وہ زہیر بن ابی سلمٰی تھا جس نے ہرم بن سنان کی مداحی کی تاہم اس نے یہ آن قایم رکھی کہ ہرم نے جب یہ حکم دیا کہ زہیر جس وقت دربار مین آئے، اور مجھ کو سلام کرے تو اس کو انعام دیا جائے، اس حکم کے بعد زہیر جب کبھی دربار مین جاتا تھا تو کہہ دیتا تھا کہ بادشاہ کے سوا اور سب کو سلام کرتا ہون

زہیر کے بعد نابغہ ذبیانی نے سلاطین کی مداحی کی، اور اس وجہ سے تمام عرب اس کو ذلیل سمجھنے لگا اور اس کی قدر و منزلت جاتی رہی کتاب العمدہ مین ہی، فسقطت منزلته وتکسب مالاً جسیماً تو اس کی عزت جاتی رہی، اور اس نے مداحی سے بڑی دولت پیدا کی،

اہلِ عرب مداحی کو جس قدر ذلیل سمجھتے تھے اسکا اندازہ واقعات ذیل سے ہوگا،

لبید بن ربیعہ مشہور شاعر تھے، جنکا ایک قصیدہ سبعہ معلقہ مین داخل ہی انکا معمول تھا کہ جب پورب کی ہوا چلتی تھی تو عام مہمانی کرتے تھے، جسمین سیکڑون اونٹ ذبح کرتے تھے، بڑھاپے مین جب دولت کی طرف سے تنگی ہوئی تو یہ معمول قضا ہونے لگا، ولید بن عقبہ کو خبر ہوئی تو اس نے سو اونٹ بھیجدیئے کہ معمول مین فرق نہ آنے دیجیے، لبید نے اپنی لڑکی کو بلا کر کہا کہ بیٹا! اس شخص نے میرے ساتھ احسان کیا ہی لیکن اب مجھ سے شعر نہین کہے جاتے تم میری طرف سے تو شکریہ کے اشعار کہدے، اس نے یہ قطعہ لکھا:-

اذا ھبّت ریاح ابی عقیل　　دعونا عند ھبّتھا الولیدا

اغر الوجہ ابیض عبشمیّا　　اعان علی مروتہ لبیدا

ابا وھب جزاک اللہ خیرا　　نحرناھا و اطعمنا الثریدا

اخیر شعر یہ تھا:-

فعد ان الکریم لہ معاد　　وظنی یا ابن اروی ان یعودا

دوبارہ بھی ایسی ہی فیاضی کر کیونکہ شریف بار بار فیاضی کرتے ہین، اور میرا گمان ہے کہ تو ایسا ہی کرے گا،

چونکہ اس شعر مین اظہار حاجت تھا لبید نے بیٹی سے کہا کہ اور شعر بہت اچھے ہین، لیکن اخیر شعر غیرت کے خلاف ہی،

عمر بن ابی ربیعہ قریش کا مشہور شاعر تھا، عبد الملک نے اس سے مدح کی فرمایش کی، اس نے کہا کہ مین صرف عورتون کی مدح کیا کرتا ہون، (یعنی غزل لکھتا ہون)

ابن میّادہ نے خلیفہ منصور کی مدح مین قصیدہ لکھا اور قصد کیا کہ بغداد جا کر دربار مین سنائے، سوار ہو رہا تھا کہ اس کا نوکر حسب معمول اونٹنی کا دودھ لیکر آیا، ابن میادہ نے پیکر پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ استغفر اللہ اس کے ہوتے مین امیر المومنین کی مدح لکھ

ہوں اور بغداد جاتا ہوں،

یزید ثقفی، حجاج کا ہموطن شاعر تھا، حجاج نے اس کو فارس کا گورنر مقرر کیا جب وہ رخصت ہونے کے لئے آیا تو حجاج نے کہا کچھ شعر سناتے جاؤ، حجاج سمجھا تھا کہ اس کی مدح پڑھیگا، یزید نے برجستہ کہا:-

وابی الذی سلب ابن کسری رایۃ بیضاء تخفق کالعقاب الطائر

میرا باپ وہ ہے جس نے نوشیروان کے بیٹے سے علم چھین لیا تھا، جو عقاب کی طرح لہراتا جاتا تھا،

حجاج نے غضبناکی سے کہا کہ جب یزید باہر نکلے تو سندِ حکومت چھین لینا اور کہنا کہ تیرے باپ نے یہ چیز تجھکو وراثت میں دی تھی،

یزید نے کہا حجاج سے کہدینا کہ:-

وورثت جدی مجدہ وفعالہ وورثت جدک اعنزا بالطائف

میں نے اپنے باپ کا شرف اور کارنامے وراثت میں پائے، اور تیرے باپ نے وراثت میں بکریاں چھوڑیں

فرزدق بنی امیہ کے دربار کا شاعر تھا تاہم جب سلیمان بن عبد الملک نے اس سے شعر پڑھنے کی فرمائش کی تو بجائے اس کے کہ وہ سلیمان کی مدح میں کچھ پڑھتا اپنے خاندان کی مدح میں فخریہ اشعار پڑھے، سلیمان سخت برہم ہوا، اتفاق سے دربار کا ایک اور شاعر جسکا نام نصیب تھا موجود تھا اس نے برجستہ یہ اشعار پڑھے:-

اقول لرکب قافلین رأیتہم قفا ذات اوشال ومولاک قارب

قفوا اخبرونی عن سلیمان اننی لمعروفہ من اھل ودان طالب

فعاجوا فاثنوا بالذی انت اھلہ ولو سکتوا اثنت علیک الحقائب

سلیمان نے نصیب کو پانسو اشرفیاں دلوائیں اور کہا کہ فرزدق سے کہ دے کہ

کہ اپنے باپ کی آگ کے پاس جائے، فرزدق غصہ مین آکر یہ شعر پڑھتا ہوا دربار سے اٹھا،

وخیر الشعر اکرمہ رجالا　　　وشر الشعر ما قال العبید

اچھے شعر شرفا کہتے ہین،　　　اور سب سے بُرا شعر وہ ہے جو غلامون نے کہا ہو،

غیر قومون کے میل جول اور شخصی حکومت کی بداثری سے عرب مین مداحی کا رواج ہوا، تاہم شروع شروع مین اتنی آن قائم رہی کہ خلفا اور سلاطین اور امرا کے سوا اور کسی کی مدح نہین کرتے تھے اور نہ صلہ لیتے تھے، مروان ابن ابی حفصہ کہتا ہے:-

ولقد حبیت بالف الف لم تکن　　　الا بکف خلیفۃ و وزیر

مین نے لاکھون روپیے حاصل کئے　　　لیکن صرف خلیفہ یا وزیر سے،

مازلت انف ان اؤلف مدحۃ　　　الا لصاحب منبر او سریر

مین ہمیشہ اس بات کو عار سمجھتا رہا　　　کہ بجز صاحب تخت ومنبر کے اور کسی کی مدح کرون،

ذوق سخن مین یہ بحث زیادہ پھیل گئی اصل مضمون یہ تھا کہ عرب مین شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی اور کب ہوئی،

ابن رشیق نے شاعری کی ابتدا اور رفتہ رفتہ مختلف قبیلون مین پھیلنے کا ایک سلسلہ بیان کیا ہے جو مختصراً حسب ذیل ہے:-

قبیلہ ربیعہ، اس قبیلہ کے مشہور شعرا یہ ہین مہلہل بن ربیعہ، مرقش اصغر و اکبر طرفہ بن عبد حارث بن حلزہ، متلمس، اعشی ان مین سے دو شاعر سبعہ معلقہ والے ہین،

بنو قیس، اس قبیلہ مین نابغہ ذبیانی، نابغہ جعدی، زہیر بن ابی سلمیٰ کعب بن زہیر، لبید بن ربیعہ، حطیئہ، شماخ، مشہور شعرا

گذرے ہین ان مین بھی دو سبعہ معلقہ والے ہین،

تمیم — اس قبیلہ مین مدت تک شاعری قایم رہی اوس بن حجر اسی قبیلہ کا شاعر تھا،

ابتدا مین صرف قصیدے کہتے تھے، رجز دو تین شعر سے زیادہ نہین ہوتے تھے جو معرکہ جنگ یا مفاخرت وغیرہ کے موقع پر بے اختیار شاعر کی زبان سے نکل جاتے تھے، سب سے پہلے عجاج نے رجز کو وسعت دی، اور تمام وہ خیالات ادا کئے جو قصائد مین ادا کئے جاتے تھے، روبہ بن عجاج نے اسکو اور بھی ترقی دی، یہ دونون بنی امیہ کے زمانے مین تھے، افسوس یہ کہ رجز انھین دونون پر ختم ہو گیا ورنہ اگر اس صنف کو ترقی ہوتی تو عرب مین بھی مثنوی کا رواج ہو جاتا جو شاعری کی سب سے بڑی شاخ ہے اور جس کی بدولت عجم نے اس میدان مین عرب سے علانیہ بازی جیتی، تاہم یہ صنف بالکل معدوم نہین ہوئی، ابن المعتز وغیرہ نے چھوٹی چھوٹی مثنویان لکھین، اور الفیہ بن مالک وغیرہ بھی گویا اسی کے پرتوے ہین، گو وہ شعر نہین بلکہ نظم ہین،

زمانے کے اعتبار سے شعرائے عرب کے چار دور ہین،

جاہلی، یعنی اسلام سے قبل کے شعراء،

مخضرمی، یعنی جنھون نے دونون زمانے پائے، مثلاً لبید، حسان، نابغہ،

اسلامی، یعنی آنحضرت صلعم کے زمانے سے لیکر بنو امیہ تک،

محدث، یعنی دولت عباسیہ کے شعرا، اور ان کے مابعد،

ایران مین شاعر کے لئے مختلف علوم و فنون مین کامل ہونا ضرور تھا چنانچہ تمام مشاہیر شعرا، نامور علما اور فضلا تھے، لیکن عرب مین اس کے برخلاف وہی شعرا فن شعر

کے امام اور پیشوا خیال کئے جاتے ہین، جو جاہل مطلق تھے اور ایک حرف لکھ پڑھ نہین سکتے تھے، یہان تک کہ کسی اسلامی شاعر کی بے انتہا تعریف کرنا چاہتے ہین، تو کہتے ہین کہ اگر اس نے زمانۂ جاہلیت کا ایک دن بھی پایا ہوتا، تو سب سے بڑا شاعر ہوتا، اس کی وجہ یہی ہو کہ شاعری دراصل خالص فطری جذبات کے اظہار کا نام ہے، اور تمدن کے زمانے مین کوئی فطری حالت باقی نہین رہتی، بلکہ تصنع اور آورد کا اثر آجاتا ہو، اس کے علاوہ تمدن کے زمانے مین جذبات کا جوش و خروش نہین رہتا جو شاعری کی جان ہو، غور کرو ایک بہت بڑا متمدن شاعر فخریہ مین کہتا ہو اور یہ فخریہ شاعری کا بہترین نمونہ خیال کیا جاتا ہو،

اذا مضر الحمراء کانت ارومتی — وقام بمجدی حازم وابن حازم

جب کہ قبیلہ مضر میرا مورث اعلیٰ ہو — اور میری شرافت کے بانی حازم اور ابن حازم ہین،

عطست بانفی شامخا وتناولت — یدای الثریا قاعدا غیر قائم

تو غرور سے ناک چڑھاتا ہون اور — میرے ہاتھ بیٹھے بیٹھے ثریا کو چھو لیتے ہین،

لیکن ایک جاہلی شاعر یون فخر کرتا ہو:-

الا لا یجہلن احد علینا — فنجہل فوق جہل الجاہلینا

ہان دیکھو! کوئی ہم سے جہالت نہ کرے — ورنہ ہم جاہلون سے بڑھکر جاہل ہین،

اذا بلغ الفطام لنا صبی — تخر لہ الجبابر ساجدینا

جب ہمارا کوئی بچہ دودھ چھوڑتا ہے — تو بڑے بڑے جبار اسکے سامنے سجدہ مین گر پڑتے ہین

شاعری کا رتبہ اور شاعری کا اثر

ایران بلکہ تمام ایشیا مین شاعری تفریح طبع کی چیز تھی، اس لئے انوری نے ایک قطعہ مین ثابت کیا ہو کہ انسانی جماعت مین شاعر کی اتنی بھی ضرورت نہین جس قدر بھنگی اور خاکروب کی ہو، لیکن عرب مین شاعر ایک جنرل

ایک فاتح ایک سردار اعظم کا رتبہ رکھتا تھا، ایک شاعر صرف اپنے کلام کے اثر سے قبیلہ کے قبیلہ کو برباد اور گمنام کر دیتا تھا، عرب مین ایک نہایت معزز قبیلہ بنو نمیر تھا کسی مجمع مین اس قبیلہ کا کوئی آدمی بیٹھا ہوتا تھا اور کوئی اسکا نام و نسب پوچھتا تھا تو نمیر کا نام لیتے وقت اس کی آواز مین غرور کا لہجہ پیدا ہو جاتا تھا، جریر اس قبیلہ سے ناراض ہوا رات کو ان کی ہجو لکھنے بیٹھا تو اپنے بیٹے سے کہا کہ ذرا چراغ مین تیل زیادہ ڈال دینا آج دیر تک جاگونگا، یہ کہکر ہجو لکھنی شروع کی جب یہ شعر کہا:۔

فغض الطرف انك من نمير فلا كعبا بلغت ولا كلابا

تو زور سے اچھلا اور پکار اٹھا و اللہ اخزیتہ لا یفلح ابدا یعنی خدا کی قسم مین نے اس قبیلہ کو برباد کر دیا، اب یہ قیامت تک ابھر نہین سکتے، اسی وقت یہ شعر تمام عرب مین پھیل گیا اور یہ حالت ہو گئی کہ اس قبیلہ کا کوئی آدمی کہین جا نکلتا تھا، اور کوئی اسکا نام و نشان پوچھتا تھا تو قبیلہ کا نام بدل کر بتاتا تھا یہان تک کہ رفتہ رفتہ اس قبیلہ کا نام ہی مٹ گیا،

اسی طرح وہ قبیلے جنکو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، صرف ایک شاعر کی بدولت نامور ہو گئے، اور بڑے معزز قدیم قبیلون نے ان کو اپنا ہمسر مان لیا، یہی وجہ ہے کہ جب کسی گھرانے مین کوئی شاعر پیدا ہوتا تھا، تو تمام قبیلون کی طرف سے مبارکباد کے پیام آتے تھے، دعوتین ہوتی تھین، عورتین جمع ہو کر مبارکباد کے گیت گاتی تھین، قربانیان کیجاتی تھین، بخلاف اس کے ایران مین کوئی شخص شاعری مین در آتا تھا تو قوم سمجھتی تھی کہ گداگرون کی فہرست مین ایک نام کا اور اضافہ ہوا،

ایشیا مین شاعری نے کبھی کوئی ملکی یا قومی انقلاب نہین پیدا کیا، بلکہ یہ کہنا چاہیے

کہ شخصی حالتوں پر بھی اس کا کوئی نمایاں اثر نہیں ہوا، تم کہو گے کہ خواجہ حافظ کی شاعری نے تمام ایران کو رند بنا دیا، لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ خواجہ حافظ پر موجودہ سوسائٹی کا اثر تھا، یا خواجہ صاحب نے سوسائٹی کو متاثر کیا یعنی خواجہ صاحب نے اس وقت کی موجودہ معاشرت کی تصویر کھینچی، یا انھوں نے وہ حالت اپنے کلام سے پیدا کر دی،

لیکن عرب میں شاعری ایک قوت تھی اور شاعر کا ایک شعر بھی کسی نمایاں نتیجہ سے خالی نہیں جا سکتا تھا، عمرو بن کلثوم کے ایک قصیدہ نے قبیلہ تغلب کو دو سو برس تک غیرت اور شجاعت کے نشہ میں چور رکھا اس قبیلہ کے ایک ایک بچہ کو پورا قصیدہ یاد ہوتا تھا اور وہ مجامع عام میں پڑھتا تھا، امیر معاویہ لیلۃ الہریر کے دن حضرت علیؓ کے مقابلہ میں بھاگ نکلنے کے لئے بالکل تیار ہو چکے تھے محض ان اشعار نے ان کو روک دیا :-

وقولی کلما جشأت وجاشت　　مکانک تحمدی او تستریحی

لادفع عن مآثر صالحات　　واحمی بعد عن عرض صحیح

رسول اللہ صلعم کے مقابلہ کے لئے کفار جو بار بار مدینہ پر چڑھائیاں کرتے تھے انہیں متعدد لڑائیاں شعرا ہی نے برپا کرائی تھیں،

اسی بنا پر شعرا سلاطین اور روسا تک سے نہیں دبتے تھے، عرب کے مشہور بادشاہ عمرو بن ہند نے جب سلطنت کے نشہ میں آ کر کہا کہ اب بھی کوئی عرب میں رہ گیا ہے جس کو میرے سامنے گردن جھکانے سے انکار ہو، تو درباریوں نے کہا کہ ہاں عمرو کلثوم شاعر، بادشاہ نے اس کو اور اس کی ماں کو بلا بھیجا، ماں شاہی محل میں گئی، تو بادشاہ کی ماں نے اس سے کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ذرا اٹھا دینا، اس نے کہا اپنا کام خود کرنا چاہئے، بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا، اس پر غصہ میں آ کر اس نے نعرہ مارا کہ

واذلاہ یعنی ہائے ذلت، عمرو کلثوم نے باہر سے سنا، سمجھا کہ میری ماں کی توہین کی گئی، اسی وقت تلوار میان سے کھینچ کر جھپٹا اور بادشاہ کا سر اڑا دیا، پھر بہت سخت رن پڑے دونوں طرف کے ہزاروں آدمی کٹ گئے، عمرو کلثوم نے یہ تمام واقعہ قصیدہ میں لکھا اور سالانہ دنگل کے موقع پر عکاظ میں پڑھا،

الا لا یجھلن احد علینا　　فنجھل فوق جھل الجاھلینا

ہاں! ہم سے کوئی جہالت نہ کرے　　ورنہ ہم جاہلوں سے بڑھکر جاہل ہیں

فانا نورد الرایات بیضا　　ونصدرھن حمرا قد روینا

ہم اپنی برچھیاں میدانِ جنگ میں　　سفید لیجاتے ہیں اور سرخ واپس لاتے ہیں

(۲)

مدح، مدح اگرچہ عرب کی اصلی شاعری میں داخل نہیں، لیکن اسلام کے بعد تمدن کی وسعت اور شخصی حکومتوں کے قایم ہونے کی وجہ سے شاعری کے چار ارکان میں سے مدح بھی ایک رکن قرار پاگئی، اب چار ارکان یہ ہیں، مدح، ذم، عشقیہ، فخریہ، اس بنا پر اہل ادب نے مدحیہ شاعری کے اصول اور ضابطے مقرر کئے، جنکو ابن رشیق نے نہایت تفصیل اور توضیح سے کتاب العمدہ میں لکھا ہے،

ایران میں مدحیہ بلکہ ہر قسم کی انواع سخن کے لئے مبالغہ اور غلو سب سے مقدم شرط تھی، ممدوح کے وصف میں جسقدر زیادہ ناممکن باتیں جمع کیجائیں، اسی قدر شاعری کا کمال خیال کیا جائیگا، مثلاً:-

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پای　　تا بوسہ برد کاب قزل ارسلان دہد

لیکن عرب نے اس کے لئے جو اصول قرار دیئے حسب ذیل ہیں:-

(۱) الفاظ گزیدہ اور شستہ ہون، سوقیانہ الفاظ اور محاورے نہ آنے پائین،

(۲) زیادہ اشعار نہ ہون چنانچہ بحتری سلاطین کی جب مدح لکھتا تھا تو بہت کم شعر لکھتا تھا، جریر مشہور شاعر کہا کرتا تھا، اذا امدحتم فلا تطیلوا،

ایک دفعہ فرزدق، عبدالرحمن بن ام الحکیم کے پاس گیا، اور اسکی مدح پڑھنی چاہی عبدالرحمن نے کہا مجھکو ایسی مدح سے معاف رکھو کہ اخیر اشعار تک پہونچتے پہونچتے پہلے مضامین بھول جائین، صرف دو شعر پر اکتفا کرو تو مین تمکو اس قدر انعام دونگا کہ کسی نے تم کو نہ دیا ہوگا، فرزدق نے صرف دو شعر مین مدح ادا کی اور عبدالرحمن نے دس ہزار درہم عطا کئے،

(۳) مدح مین تفاوتِ مراتب کا لحاظ رکھا جائے یعنی بادشاہ وزیر دبیر افسر فوج حاکم عدالت ہر ایک کی مدح مین اس کے خاص اوصاف کا خیال رکھا جائے مثلاً دبیر کی مدح مین اگر دلیری اور شجاعت کا وصف بیان کیا جائے، یا قاضی کو صاحب ہیبت و جلال کہا جائے تو ناموزون ہوگا،

لیکن ایرانی شاعری مین ایک قلی کی مدح مین بھی تمام شاہانہ اوصاف ثابت کر دیئے جاتے ہین، علامہ ابن رشیق نے اس بحث مین لکھا ہو کہ جب ممدوح بادشاہ ہو تو شاعر کو خیال رکھنا چاہئے کہ ایسے اوصاف نہ بیان کرے جو عام رئیسون مین بھی پائے جاتے ہین، مثلاً اخطل کے اس شعر

وقد جعل اللہ الخلافۃ منھم لابیض لا عاری الخوان ولا جدب

یعنی خلافت خدا نے ایسے شخص کو دی جس کا دستر خوان تنگ نہین،

پر لوگون نے اعتراض کیا ہو کہ یہ وصف تو بادشاہ کے ایک ادنی نوکر مین بھی پایا جا سکتا

ہے، اسی طرح احوص کے اس شعر پر

واذاک تفعل ماتقول وبعضھم　　مذق الحدیث یقول مالا یفعل

آپ جو کہتے ہین کرتے ہین اور اور لوگ　　صرف باتین بناتے ہین، کچھ کرتے نہین،

لوگون نے یہ نکتہ چینی کی کہ یہ ایک معمولی بات ہی، بادشاہون کی تعریف مین اغراق اور مبالغہ ہونا چاہئے، یعنی وہ اوصاف لکھنے چاہئین جو عام انسانون کے رتبہ سے بالاتر ہون

علامہ ابن رشیق پانچوین صدی ہجری مین تھے، جب کہ عرب کا مذاق عجم کے اختلاط سے بالکل بدل گیا تھا، ورنہ وہ جانتے کہ عرب کی شاعری کی یہی خوبی تھی کہ کسی موقع پر اصلیت اور واقعہ سے تجاوز نہین ہوسکتا تھا، شعرائے عرب سلاطین کی مدح مین بھی وہی باتین لکھتے تھے، جو واقعی ہوتی تھین، یاد ہوگا کہ جب عرب کے ایک بادشاہ نے ایک شاعر سے کہا کہ میری مدح کرو تو اس نے کہا پہلے تم کچھ کرکے دکھاؤ تو مین کہون

(۴) ممدوح جب بادشاہ ہو تو اس کے اوصاف ذیل کا ذکر کرنا چاہئے، یعنی عقل عفت، عدل، شجاعت، چنانچہ شعرائے متقدمین انھین اوصاف کا بیان کرتے تھے، لیکن متاخرین نے وسعت دیکر ان اوصاف کی شاخون اور شاخ در شاخ اوصاف کو لیا اور اس مین وسعت پیدا کی، مثلاً وہ ممدوح کی نکتہ رسی، شرم ولحاظ، قوت تقریر، سیاست حلم وغیرہ کا بھی بیان کرتے ہین، اور ان سب اوصاف کو عقل کے نتائج قرار دیتے ہین،

(۵) زیادہ تر اصلی اور ذاتی اوصاف بیان کرنے چاہئین، جو اوصاف عارضی ہین، مثلاً حسن و دولتمندی جاہ و مال وغیرہ ان چیزون کے ذکر کی ضرورت نہین، کیونکہ یہ سب چیزین چلتی چھاؤن ہین، آج ہین کل نہین، بخلاف ذاتی اوصاف کے جو مرتے دم تک انسان کے ساتھ ہین،

یہ قدامہ کی رائے ہے لیکن علامہ ابن رشیق کا خیال ہے کہ عارضی اوصاف کو سرے سے ترک نہیں کرنا چاہیے، البتہ ذاتی اوصاف کو مقدم رکھنا چاہیے،

اہل ادب مین یہ مسئلہ بحث طلب ہے کہ مدح مین سب سے بڑھکر کونسا شعر ہے، ہم اس موقع پر علامہ ابن رشیق کی کتاب سے مختلف اقوال نقل کرتے ہین، جس سے عرب کے مذاق کا اندازہ ہوگا،

ایک دفعہ خلیفہ معتصم باللہ کے دربار مین شعرا کا مجمع ہوا معتصم باللہ نے کہا کہ تم مین کوئی شخص ایسے شعر کہہ سکتا ہے یہ کہکر منصور نمیری کے یہ اشعار پڑھے جو اس نے ہارون الرشید کی مدح مین لکھے تھے،

ان المكارم والمعروف اودية	احلك الله منها حيث تجتمع
شریفانہ خصائل نہرین ہین،	اور یہ نہرین جہان جاکر ملگئی ہین وہ تیری جگہ ہے
اذا رفعت امرأ فالله رافعه	ومن وضعت من الاقوام متضع
تو جس شخص کو اونچا کیے خدا بھی اسکو اونچا کردیتا ہے	اور تو جس کو گرادے وہ گرجاتا ہے،
ان اخلف الغيث لم تخلف انامله	اوضاق امر ذكرناه فيتسع
بادل رک جائین تو اسکا دست کرم نہین رکتا	جب کوئی مشکل آپڑتی ہے تو ہم ممدوح کا نام لیتے ہین اور وہ حل ہوجاتی ہے

محمد بن وہب نے بڑھ کر کہا کہ ہم اس سے بڑھکر کہہ سکتے ہین، پھر یہ شعر پڑھے:-

ثلاثة تشرق الدنيا ببهجتهم	شمس الضحى وابو اسحق والقمر
تین چیزین ہین جنکی رونق سے دنیا کو روشن کر رکھا ہے	آفتاب، چاند اور معتصم باللہ
تحكي افاعيله في كل نائبة	الغيث والليث والصمصامة الذكر
بادل، شیر، اور تلوار	اسکے کارنامون کی نقل اتارتے ہین

حطیہ ایک مشہور شاعر تھا جب مرنے لگا تو کہا کہ انصار کو یہ پیغام پہونچا دینا کہ تمھارا بھائی سب سے بڑا مدح گو ہے جسکا یہ شعر ہے؛

یغشون حتی ما تھر کلا بھم لا یسألون عن السواد المقبل

عرب مین عموماً لوگ کتے پالتے تھے، یہ کتے اجنبی آدمی کو دیکھکر بھونکتے تھے، شاعر کہتا ہے کہ ممدوح کے پاس اس کثرت سے مہمان اور آیندو روند آتے جاتے رہتے ہین کہ اس کے کتے کسی کو دیکھکر بھونکتے نہین، کیونکہ تمام لوگون سے مانوس ہوگئے ہین،

یہ ایک سچی مدح تھی لیکن ثعلب نے جب یہ حطیہ کا یہ قول سنا تو کہا کہ یہ غلط ہے سب سے عمدہ شعر مدح کا یہ ہے:-

فتی لو یباری الشمس القت قناعھا او القمر الساری لالقی المقالدا

وہ اگر آفتاب و ماہتاب کا مقابلہ کرے تو آفتاب اپنے اوپر نقاب ڈال لے اور چاند سپر ڈال دے

ثعلب اس زمانہ کا آدمی ہے جب عرب کا صحیح مذاق خراب ہو چکا تھا، اس لئے اس نے تکلف اور مبالغہ کو واقعیت پر ترجیح دی،

عرب مین مدحیہ شاعری کے جو عمدہ نمونے خیال کئے جاتے ہین، ان مین سے بعض ہم نقل کرتے ہین، ان سے اندازہ ہوگا کہ عرب کی شاعری کس قدر صحیح اور سچے خیالات کا آئینہ ہے،

اخی ثقۃ لا یھلک الخمر مالہ ولکنہ قد یھلک المال نائلہ

قابل اعتماد ہے شراب اسکی دولت کو ضایع نہین کرسکتی البتہ فیاضی اس کی دولت کو برباد کردیتی ہے

تراہ اذا ما جئتہ متھللا کانک تعطیہ الذی انت سائلہ

اس کے پاس کچھ مانگنے جاؤ تو اسکا چہرہ ایسا شگفتہ ہوجائیگا کہ گویا تم ہی اسکو چیز دیتے ہو

فمن مثل حصن فی الحروب ومثله — لانکار ضیم او لخصم یجادله

لڑائی کے وقت یا دشمن کے مقابلہ مین یا عزت — کی پاسداری مین ممدوح کا ہمسر کہان مل سکتا ہی

وفیهم مقامات حسان وجوهها — واندیة ینتابها القول والفعل

ان لوگون کے کارنامے روشن ہین — ان کی مجلسون مین قول اور فعل ساتھ ساتھ آتے ہین

وان جئتهم الفیت حول بیوتهم — مجالس قد یشفی باحلامها الجهل

ان سے ملنے جاؤ تو وہان — ایسے لوگ نظر آئینگے جنکی دانشمندی جہالت کی دوا ہی

علی مکثریهم حق من یعتریهم — وعند المقلین السماحة والبذل

انمین جو دولتمند ہین وہ مفلسونکی حاجت روا کردیتے ہین — اور جو نادار ہین وہ سائلون سے خندہ پیشانی سے پیش آتے ہین

سعی بعدهم قوم لکی یدرکوهم — فلم یفعلوا ولم یلاموا ولم یالوا

اورون نے بھی چاہا کہ انکا رتبہ حاصل کرین — لیکن نہ کرسکے اور اس پر انکو الزام نہین دیا جا سکتا

فما کان من خیر اتوه فانما — توارثه اباء ابائهم قبل

یہ جو کچھ کرتے ہین ان کے باپ دادا سے — ان کو وراثت مین پہونچا ہے ،

یہ اشعار زہیر کے ہین جو اسلام سے پہلے زمانے کا شاعر ہی، اور جو بالکل لکھا پڑھا نہ تھا، اس لئے اس کے خیالات نہایت سادہ اور بے تکلف ہین لیکن جب اسلام کے بعد آورد اور تکلف آگیا، اسوقت بھی اصلیت اور واقعیت کا عنصر موجود تھا، متنبی، ابو تمام، بحتری نے اکثر جگہ بالکل عجمیون کی طرح مبالغہ غلو اور دور از کار خیالات سے کام لیا ہی لیکن ان کے کلام کا بھی بہترین حصہ وہی خیال کیا جاتا ہی جسمین واقعیت کی جھلک موجود ہوتی ہی متنبی جب شام مصر اور بغداد ہر جگہ پھر کر عضد الدولہ کے دربار مین گیا ہی تو اسکو مخاطب کرکے کہتا ہی ۔۔

وقد رأیت الملوک قاطبۃ — وسرت حتی رأیت مولاھا

میں نے سب بادشاہوں کو دیکھا — اور اب اگر بادشاہوں کے آقا کو دیکھا

ابا شجاع بفارس عضد الدولۃ — فنا خسرو شہنشاھا

جس کا نام ابو شجاع عضد الدولہ — فنا خسرو شہنشاہ ہے،

اسامیا لم تزدہ معرفۃ — وانما لذۃ ذکرنا ھا

یہ سب نام اور لقب میں نے اسلیے نہیں گنائے کہ لوگ ایک لقب سے نہ پہچانیں تو دوسرے سے پہچان لیں، بلکہ اسلیے کہ بار بار اسکے لینے میں مجھکو مزہ آتا ہی،

برخلاف اس کے ایران کی شاعری میں ایک شعر بھی مدحیہ ایسا نہیں مل سکتا جو عمدہ خیال کیا جاتا ہو، اور اسکو واقعیت سے بھی کچھ علاقہ ہو،

فخریہ، عرب کی شاعری کا ایک رکن عظیم فخریہ شاعری ہی ایرانی شعرا نے بھی فخریہ شعر لکھے ہیں، لیکن وہ صرف شاعری یا علم و فضل کا فخر ہوتا ہی یعنی میری شاعری اس درجہ کی ہی یا علم و فضل میں میرا کوئی ہمسر نہیں مثلاً فیضی کہتا ہی،

امروز نہ شاعرم حکیمم — دانندۂ حادث و قدیمم

آنم کہ بہ سحر کاری زرف — از شعلہ تراشش کردہ ام حرف

بانگ قلم درین شب تار — بس مغز خفتہ کرد بیدار

اسرار معانیم نظر کن — زین گنج بہ مفلسان خبر کن

آنان کہ بمن نظر فگندند — در معرکہ ام سپر فگندند

گر عشق چنین بسوزدم پاک — مہتاب برون برم از خاک

بگداختہ آبگینۂ دل — آئینہ دہم بدست محفل

عرفی نے یہ جدت پیدا کی کہ علم و فضل کے ساتھ اپنے حسن و جمال کی بھی تعریف کرتا ہے، اور چونکہ وہ واقعی خوبصورت بھی تھا اس لئے یہ ناز بیجا نہ تھا، لیکن فخر کا پہلو نہایت برا اختیار کیا ہے چنانچہ کہتا ہے:-

سر بر زدہ ام با مہ کنعان ز یکی جیب | معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم
میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفان | من زہرہ را شاگرد من بدر منیرم

مہ کنعان کے مقابلہ اور معشوقیت کا مضائقہ نہیں، لیکن زہرہ رقاص بننا کون سی آدمیت ہے،

لیکن عرب کی فخریہ شاعری بالکل مختلف حیثیت رکھتی ہے، عرب میں سیکڑوں مختلف قبیلے تھے، ان میں جنگ و جدل رہتی تھی، اور ہر ایک کو اپنی مدد کے لئے اور قبیلوں سے کام لینا پڑتا تھا، اس غرض کے لئے شاعری سب سے بڑا کارگر آلہ تھا، اشعار میں وہ اپنے رتبہ اور شان کو اس حیثیت سے دکھاتے تھے کہ دوسروں پر اثر ہوتا تھا اور لوگ خواہ مخواہ ان کے حلقہ بگوش یا یار وفادار بنجاتے تھے اسطرح فخریہ شاعری کی بنیاد پڑی، رفتہ رفتہ اسکو وسعت ہوتی گئی، اور فخریہ شاعری کے بہت سے موقع نکل آئے، جنکی تفصیل یہ ہے،

(۱) قبایل کے مقابلہ میں فخر کا اظہار،
(۲) معرکہ جنگ میں فخر کا اظہار،
(۳) شعرا میں باہم مفاخرت، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان میں کہیں شاعری کا فخر نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک شاعر، شاعر کے مقابلہ میں بھی جب فخر اور ترجیح کا دعوی کرتا تھا، تو علو نسب، جود و کرم رزم آرائی کے معرکوں کی بنا پر کرتا تھا،

جاہلیت اور ابتدائے اسلام کے فخریہ مین نسب کا فخر سب سے ضروری عنصر تھا لیکن متاخرین مین یہ عنصر کم ہوتا گیا، متنبی کہتا ہی:-

ما بقومی شرفت بل شرفوا بی   وبنفسی فخرت لا بجدودی

میرا شرف خاندان کی وجہ سے نہین ہی، بلکہ خاندان کو مجھ سے شرف ہی، مجھکو اپنے باپ دادا پر ناز نہین بلکہ اپنے آپ پر ناز ہی

یہ وہی خیال ہی جسکو مرزا غالب نے ثبوت کے ساتھ ادا کیا ہی،

گوہر نہ بہ کان، کان بہ گوہر شناس است   بر فرخی ذات دلیلم اب و عم را

متنبی نے اگرچہ فخر کا صحیح مفہوم سمجھا، لیکن طرز ادا سے شبہہ پیدا ہوتا ہی کہ نسب کا بیٹا ہوگا، اس لئے دوسرے شعرا نے اس پہلو کا بھی لحاظ رکھا، عامر بن طفیل کہتا ہی:-

فانی وان کنت ابن سید عامر   وفارسہا المشہور فی کل موکب

مین اگرچہ قبیلۂ عامر کے سردار کا بیٹا ہون   جو ہر معرکہ مین نامور رہا تھا،

فما سودتنی عامر عن وراثۃ   ابی اللہ ان اسمو بام ولا اب

تاہم مجھکو عامر کی وراثت نے سردار نہین بنایا   خدا یہ نہین چاہتا کہ میری عزت ماں باپ کی ممنون ہو

اب ہم فخریہ شاعری کے چند عمدہ نمونے نقل کرتے ہین، جو حقیقی جوش کی تصویرین ہین،

امرء القیس — ما ینکر الناس طرا حین نملکہم   کانوا عبیدا وکنا نحن اربابا

لوگون کو اس سے انکار نہین   کہ وہ غلام اور ہم آقا ہین،

فرزدق — تری الناس ان سرنا یسیرون خلفنا   وان نحن اومانا الی الناس وقفوا

لوگ ہمارے پیچھے پیچھے چلتے ہین، اور جب ہم رکنے کا اشارہ کردیتے ہین تو سب ٹھہر جاتے ہین،

بشار — اذا ما غضبنا غضبۃ مضریۃ[1]   ہتکنا حجاب الشمس او امطرت دما

جب ہمکو مضری غصہ آتا ہی تو ہم آفتاب کو چاک کردیتے ہین، کہ اس سے خون ٹپکنے لگتا ہے،

[1] یعنی اس قسم کا غصہ جو قبیلۂ مضر کا خاصہ ہے۔

اذا ما اعم ناسیٔ امن قبیلۃ ذری منبر صلی علینا و سلما

جب کسی قبیلہ کا سردار منبر پر چڑھتا ہے تو ہم پر درود اور سلام پڑھتا ہے،

ومن یفتقر منا یعش بحسامہ ومن یفتقر من سائر الناس سائل

ہمارے خاندان کا آدمی مفلس ہو جاتا ہے تو تلوار سے معاش پیدا کرتا ہے اور دوسرے خاندان کے آدمی بھیک مانگنے لگتے ہیں

وانا لنلھو بالحروب کما لھت فتاۃ بعقد او سخاب قرنفل

ہم لڑائیوں کو اس طرح کھیل سمجھتے ہیں جس طرح چھوکری، ہار سے کھیلتی ہے،

(از الندوہ جلد ۱ نمبر ۱۱ ماہ دسمبر ۱۹۰۹ء)

عربی[1] اور فارسی شاعری کا موازنہ

اوپر کے بیانات سے اس قدر تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ فارسی شاعری عرب کی دست پرور ہے، لیکن یہ سوال پیدا ہوگا کہ استاد و شاگرد میں کیا فرق ہے، شاگرد نے استاد پر کیا اضافہ کیا، اور کن باتوں میں اب بھی وہ استاد کا ہمسر نہیں ہو سکتا؟

حقیقت یہ ہے کہ فارس کی شاعری اگرچہ بالکل عرب کا سایہ ہے، لیکن دونوں ملکوں کے تمدن، معاشرت اور مقامی حالات میں اس قدر اختلاف ہے کہ ہر طرح کے تعلقات کے ساتھ بھی، دونوں شاعریوں میں زمین آسمان کا فرق پیدا ہو گیا ہے، عرب کا تمدن یہ تھا کہ بڑے بڑے جتھے پہاڑوں اور میدانوں میں رہتے تھے، کسی بادشاہ یا فرمانروا کے محکوم نہیں تھے، آزادی اور خودسری کے خیالات ساتھ لیکر پیدا ہوتے تھے اور ساتھ لیکر جاتے تھے، طبیعت جنگجو اور شوریدہ سر تھی، اس لئے آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر قبیلے کے قبیلے لڑ کر فنا ہو جاتے تھے، فصاحت و بلاغت کا ملکہ فطرتی تھا، اس لئے جو حالت پیش آتی اور جو خیالات پیدا ہوتے ان کو اسی اصلیت اور جوش و خروش کے ساتھ ادا کر دیتے تھے،

رزمیہ شاعری، ان باتوں کا اثر یہ تھا کہ ان کے اشعار میں شجاعت، جانبازی، محافظۂ نفس

---

[1] عربی شاعری سے مراد اسلام کے ماقبل کی شاعری ہے یا زیادہ سے زیادہ بنو امیہ کے عہد تک، اسکے بعد کی شاعری عربی نہیں بلکہ عجمی ہے، صرف زبان کا فرق ہے، جس طرح حکومت گو برائے نام عباسیہ کی تھی اصلی حکمران فارس اور ترک تھے،

اندھا دھند بہادری کے جو خیالات پائے جاتے ہین، فارس بلکہ دنیا کی کسی قوم کو نصیب نہین ہو سکتی، اس قسم کے اشعار کو حماسیات کہتے ہین، ان حماسیات کو پڑھو تو یہ عالم نظر آتا ہے کہ جنگل مین شیر گونج رہا ہے، فردوسی نے بھی شاہنامہ مین بڑے بڑے زور کے معرکے لکھے ہین، لیکن وہ اورون کے افسانے ہین، فردوسی داستان گو بنکر ان کو بیان کرتا ہے، لیکن عرب کا شاعر جو کہتا ہے، اپنی سرگذشت کہتا ہے، اور اس لئے اسکا جو اثر ہوتا ہے، شاہنامہ کا نہین ہو سکتا، عرب مین جو مشہور شاعر گذرے ہین، وہی مشہور بہادر اور جنگ آور تھے، مثلاً امرء القیس، عمرو بن کلثوم عمرو معدیکرب، اس لئے وہ زبان سے وہی کہتے تھے جو ہاتھ سے کرتے تھے،

اس کے مقابلہ مین عجم کے شعرا کی یہ حالت تھی کہ انوری ایک دفعہ ڈاکوون مین گھر گیا، ایک حکیم صاحب اور ایک درزی بھی ساتھ تھا، سب جان بچاکر بھاگ نکلے، انوری بطور علوم متعارفہ کے کہتا ہے، ع

حکیم و شاعر و درزی چگونہ جنگ کنند

آزادانہ خیالات، اسباب مذکورۂ بالا نے عرب کی شاعری کو آزادانہ خیالات سے لبریز کر دیا تھا، فارسی شاعری ہمکو یہ سکھاتی ہے،

اگر شہ روز را گوید شب ست این   بباید گفت اینک ماہ و پروین

بخلاف اس کے عرب کا شاعر اتفاق سے فلاکت مین پڑ جاتا ہے، ایک فرمان روا رئیس جو نسب مین اس سے کم رتبہ ہے، اس کو حاجتمند دیکھکر چاہتا ہے کہ اس سے قرابت پیدا کرے، شاعر کو خبر ہوتی ہے، وہ یہ اشعار جواب مین بھیجتا ہے،

یبغی ابن کوز والسفاھۃ کاسمھا   لیستادمنا ان شتونا لیالیا

ابن کوز رئیس کا نام ہے، اُنے جسکا نام بھی ویسا ہی کمینہ ہے جیسا وہ خود کمینہ ہے یہ خواہش ظاہر

کی کہ ہمارے ہاں قرابت کرکے شریف بنجائے اور یہ اس بنا پر کہ ہم نے چند روز فاقہ سے گذارے،

وانا علی عضّ الزمان الذی تری | نعالج من کرہ المخاز ی الدواھیا
ہاں زمانہ نے ہم کو ستایا تاہم ہم | ذلت کے مقابلہ مین مصائب کو برداشت کرتے ہین
فلا تطلبنھا یا ابن کوس فانہ | غذ الناس مذ قام النبی الجواریا

ابن کوز اس خیال سے در گذر، جب سے رسول اللہؐ پیدا ہوئے لڑکیان ہی لڑکیان ہین اور کہین شادی کرلو،

متنبی کے زمانے مین عرب کی تمام خصوصیات مٹ چکی تھین، تاہم جب سیف الدولہ نے متنبی کی ناز برداریون مین کمی کی اور شعرا کو اسکا ہم رتبہ قرار دیا، تو اس نے ایک قصیدہ لکھکر دربار مین پڑھا جسکا ایک شعر یہ ہی،

وما انتفاع اخی الدنیا بناظرہ | اذا استوت عندہ الانوار والظلم

یعنی جب انسان کو روشنی اور تاریکی یکسان معلوم ہو تو آنکھ سے کیا حاصل،

تمام قصیدہ مین اسی قسم کے آزادانہ خیالات ظاہر کئے اور بگڑکر دربار سے چلا آیا،

مفاخرت، | اسی بنا پر عرب کی شاعری کا ایک بڑا میدان مفاخرت ہے، جسمین شاعر اپنے کارنامون کو بڑے جوش و خروش سے فخریہ بیان کرتا ہی، اور وہ اسکو زیب دیتا ہے، عرب کا ایک مشہور بادشاہ عمرو بن ہند گزرا ہی، اس کا اثر واقتدار جب زیادہ بڑھا تو اس نے ایک دن درباریون سے کہا کہ کیا اب عرب مین کوئی ایسا شخص بھی ہی جسکی ماں کو میری ماں کے سامنے گردن جھکانے سے عار ہو، انھون نے کہا، ہاں عمرو بن کلثوم (قبیلہ تغلب کا مشہور شاعر تھا) بادشاہ نے اسکو دعوت دیکر بلایا اور لکھا کہ مستورات

بھی ساتھ آئین، عمرو بن کلثوم دربار مین آیا اور عورتین شاہی حرم مین گئین، ادھر اُدھر کی باتین ہو رہی تھین کہ بادشاہ کی والدہ نے عمرو بن کلثوم کی ماں سے کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بی ذرا اس کو اٹھا دینا، اس نے کہا آدمی کو اپنا کام آپ کرنا چاہیے، بادشاہ کی ماں نے دوبارہ کہا، وہ چیخ کر پکاری وا تغلباہ وا ذلاہ یعنی ہاے تغلب کی ذلت عمرو بن کلثوم نے باہر سے آواز سنی اور سمجھا کہ ماں کے ساتھ کوئی نامناسب برتاؤ ہوا اسی وقت تلوار سے بادشاہ کا سر اڑا دیا اور خود بچ کر نکل آیا، پھر دونوں قبیلوں مین بڑے زور کا رن پڑا اور ہزاروں سر کٹ گئے، عمرو بن کلثوم نے اس پر ایک قصیدہ لکھا اور جب عکاظ کا مشہور میلا قائم ہوا تو مجمع عام مین جوش و خروش کے ساتھ پڑھا ایک مدت تک یہ حالت رہی کہ قبیلہ تغلب کا بچہ بچہ اس قصیدہ کو زبانی یاد رکھتا تھا، بالآخر یہ قصیدہ آب زر سے لکھکر در کعبہ پر آویزان کیا گیا، اسی بنا پر اسکو معلقہ کہتے ہین اور آج وہ سبعہ معلقہ مین داخل ہی، اس قصیدہ کا ایک ایک شعر، جوش و غیرت، حمیت و آزادی دلیری و فخر کے صاعقہ کی گرج ہی، بادشاہ کو مخاطب کر کے کہتا ہی،

ابا هند فلا تعجل علینا	وانظرنا نخبرک الیقینا
اے ابو ہند! جلدی نہ کر	ہم تجھکو سچے واقعات بتاتے ہین
بانا نورد الرایات بیضا	ونصدرهن حمرا قد روینا
ہم معرکہ جنگ مین سفید جھنڈے لیکر جاتے ہین	لیکن انکو سرخ کر کے لاتے ہین،
الا لا یجهلن احد علینا	فنجهل فوق جهل الجاهلینا
ہان ہم سے کوئی جہالت نہ کرے	ورنہ ہم جاہلوں سے بڑھکر جاہل ہین
تهددنا وتوعدنا رویدا	متی کنا لامک مقتوینا

تو ہمکو دھمکاتا اور ڈراتا ہے، — لیکن ہم کیا تیرے ماں کے غلام ہین

فان قناتنا یا عمرو اعیت — علی الاعداء قبلک ان تلینا

اے عمر! تجھ سے پہلے بھی، — ہمارے نیزون کو لوگون نے لچانا چاہا لیکن تھک کر رہ گئے

وانا المانعون لما اردنا — وانا النازلون بحیث شینا

ہم جسکو چاہتے ہین روک دیتے ہین — اور خود جہان چاہین پڑاؤ ڈال دیتے ہین

اذا بلغ الفطام لنا صبی — تخر له الجبابر ساجدینا

ہماری قوم کا بچہ جب دودھ چھوڑتا ہے، — تو بڑے بڑے جبار اسکے آگے سجدہ مین گر پڑتے ہین

غور کرو، شعرائے فارس اس کے مقابلہ مین کس چیز پر فخر کر سکتے ہین، نظامی اور عرفی نے بڑے زور کے فخریہ لکھے ہین، لیکن فخر کی ساری کائنات یہ ہے کہ ہم اقلیم سخن کے بادشاہ ہین، الفاظ اور حروف ہمارے باجگذار ہین، مضامین ہمارے سامنے دست بستہ کھڑے رہتے ہین، اس سے آگے بڑھے تو یہ کہ ہم پری پیکر ہین، چنانچہ عرفی فرماتے ہین،

سر بر زدہ ام با مہ کنعان ز یک جیب — معشوق تماشا طلب و آئینہ گیرم

میگویم و اندیشہ ندارم ز ظریفان — من زہرہ را مشکرم و من بدر منیرم

مناظر قدرت | مناظر قدرت مثلاً پہاڑ، صحرا، جنگل، سبزہ زار، آب رواں، ان چیزوں کی تصویر بھی جس طرح عرب کا شاعر کھینچ سکتا ہی، ایران کے شاعر سے نہین کھینچ سکتی، اول تو اس قسم کی شاعری ایران مین کم ہی، اور ہے تو وہ اصلیت اور مرقع نگاری نہین جو عرب کا خاصہ ہی، البتہ باغ و بہار کے مضامین نہایت بہتات کے ساتھ ہین، اور عرب اس باب مین ایران کا مقابلہ نہین کر سکتا، اور یہ بھی عرب کی واقعیت پسندی کی دلیل ہی، وہ جو کچھ دیکھتا ہی، وہی کہتا ہی، اور یہ ظاہر ہے کہ عرب کو باغ و بہار کہان نصیب تھے، یہ ہمارے

ہندوستان کا جوہر ہے کہ نرگس، یاسمن، سنبل، بنفشہ، کبھی خواب مین بھی نہین دیکھا، لیکن بہاریہ قصائد ایران مین بیٹھکر لکھتے ہین، یہان کی کوئی چیز گویا دیکھی ہی نہین،

جذبات انسانی، | یہ شاعری بھی عرب کے ساتھ مخصوص ہی، جذبات انسانی مین سب سے بڑھکر رنج وغم کا جذبہ ہی جو مرثیہ کی بنیاد ہی لیکن ایران کے مرثیے بھی دراصل قصائد ہین؛ فرق یہ ہے کہ قصائد مین زندہ ممدوح کی مدح ہوتی ہی اور مرثیون مین مردہ کے اوصاف بیان ہوتے ہین، بخلاف اس کے عرب اپنی اولاد، عزیز، دوست، احباب بلکہ اونٹ اور گھوڑے کا مرثیہ لکھتا ہی، اور اس جوش وخروش کے ساتھ لکھتا ہی کہ دل پانی ہو جاتے ہین؛ مرثیہ پر ختم نہین ایران کے تمام جذبات کا یہی حال ہی، فارسی مین چار شعر ایسے نہین ملتے جنمین کسی شاعر نے خاص اپنے غیظ وغضب کے جذبہ کا اظہار کیا ہو؛ بخلاف اس کے چونکہ عرب کے تمام جذبات نہایت سخت اور مشتعل ہوتے ہین، اس لئے اسکو غصہ آتا ہی تو منہ سے شرر جھڑنے لگتے ہین، ایران مین غزل کو بہت ترقی ہوئی جو ایک خاص جذبۂ عشق کا اثر ہی لیکن یہان بھی جسقدر آورد ہی آمد نہین،

تمدن ومعاشرت کی خصوصیات، | عرب کی شاعری اس بات مین بھی ایران سے ممتاز ہی کہ عرب کا شاعر معاشرت اور خانگی زندگی کی خصوصیات اسقدر بیان کرتا ہی کہ اس سے اس زمانہ کی رفتار، گفتار، نشست وبرخاست، وضع قطع، رہنے سہنے کے طریقے، زندگی کی ضرورتین، اسباب خانہ داری، ایک ایک چیز کا حال معلوم ہو سکتا ہی، بخلاف اسکے فارسی شاعری مین یہ بھی نہین معلوم ہو سکتا کہ لوگ زمین پر رہتے تھے، یا آسمان پر بسر کرتے تھے

معشوق، | عرب کا معشوق بھی ایران سے جدا ہی یعنی ایران مین بجائے عورت کے مرد کو معشوق قرار دیتے ہین، اور اس نے ایرانی شاعری پر سخت برا اثر ڈالا ہی تفصیل اسکی آگے آئیگی،

فارسی شاعری کی ترجیحی خصوصیات

ع عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو، بے شبہہ عرب کی شاعری مین ایسی بہت سی باتین پائی جاتی ہین، جو ایران کو نصیب نہین، لیکن فارسی شاعری کو بھی بہت سی خصوصیتین حاصل ہین، جنمین وہ عرب سے علانیہ ممتاز ہی،

مثنوی، فارسی شاعری کی ایک بڑی صنف مثنوی ہی، جسمین سیکڑون واقعات اور ہزارون خیالات مسلسل بیان کیے جا سکتے ہین، عربی اس سے محروم ہی،

فلسفہ، عربی شاعری مین فلسفہ بہت کم ہی، بخلاف اس کے فارسی مین ناصر خسرو، عمر خیام سحابی نجفی، مولانا روم، عرفی وغیرہ نے ہر قسم کے فلسفہ کے مسائل اور خیالات ادا کر دیے ہین،

اخلاق، اخلاقی شاعری عرب مین تھی لیکن فارسی کی طرح مستقل حیثیت نہین رکھتی تھی، قصائد مین اخلاقی خیالات ادا کر دیتے تھے، بخلاف اس کے فارسی مین سیکڑون مثنویان، اخلاق مین لکھی گئین جنمین مسائل اخلاق مثلاً عفت، شجاعت، ہمت، توکل، استغنا کے عنوان قائم کیے گئے اور ہر عنوان کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا،

تصوف، تصوف مین بھی عربی کم مایہ ہی، لے دیکر ابن فارض اور محی الدین عربی کا دیوان ہے، لیکن فارسی نے تصوف کے دریا بہا دیئے،

غزل، غزل کو بھی ایران نے بے انتہا ترقی دی چنانچہ ان تمام خصوصیتون کی تفصیل الگ الگ مستقل عنوانون کے ذیل مین آئیگی،

تنوع خیالات، فارسی شاعری عموماً مین عرب کی شاعری سے بہت زیادہ ہی اس کے ساتھ اسکی حدود حکومت بہت وسیع ہین، جسکے مقابلہ مین عرب کی وسعت نقطہ سے بھی کم ہے،

اس بناپر گوناگون اور رنگ برنگ کے خیالات جو فارسی مین پائے جاتے ہین، عرب مین نہین مل سکتے،

جدت تشبیہات، ایران آب و ہوا، اور زمین کی شادابی کی وجہ سے بہشت کا چمن زار ہی اسلئے ایرانی شاعری کیلئے تشبیہات کا جو سرمایہ ہاتھ آسکتا تھا، عرب کو نصیب نہین ہوسکتا تھا، مثلاً عرب کا شاعر دہن کی تعریف مین بڑی قوت تخیل صرف کرتا ہی تو انگوٹھی کے حلقہ سے تشبیہ دیکر رہجاتا ہی، لیکن ایران کا خیال بند درج گوہر، چشمہ نوش، پستہ، غنچہ، ذرہ جوہر فرد سے تشبیہ دیجاتا ہی، اور پھر اس کی تشبیہ کا خزانہ خالی نہین ہوتا،

امرء القیس عرب کا سب سے بڑا شاعر معشوق کی انگلی کو مسواک اور اسروع سے تشبیہ دیتا ہی جو جنگل کا ایک کیڑا ہوتا ہی، لیکن فارسی کا شاعر اسکو دم قاقم سے تشبیہ دیتا ہی،

آن دلاویز دارد از نرمی، سر انگشت چون دم قاقم

غرض تشبیہات کی لطافت اور استعارات کی نزاکت جو فارس مین پائی جاتی ہی عرب مین اسکا پتہ نہین لگ سکتا، بے شبہہ متاخرین عرب کے کلام مین بھی ہر قسم کے لطیف استعارات و تشبیہات پائے جاتے ہین، لیکن یہ شعرا یا تو خود عجمی ہین یا عجم مین نشو و نما پایا ہی اس لئے انکی شاعری درحقیقت فارسی شاعری ہی، صرف زبان کا فرق ہی،

(الندوہ، ج ۵ نمبر ۳، اپریل سنہ ۱۹۰۸ء)

سرسید مرحوم اور اردو لٹریچر

سرسید کے جسقدر کارنامے ہین اگرچہ ریفارمیشن اور اصلاح کی حیثیت ہر جگہ نظر آتی ہے، لیکن جو چیزین خصوصیت کے ساتھ ان کی اصلاح کی بدولت ذرہ سے آفتاب بنگئین ان مین ایک اردو لٹریچر بھی ہے، سرسید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائرہ سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زور اور اثر، وسعت وجامعیت، سادگی اور صفائی سے ادا کر سکتی ہے کہ خود اس کے استاد یعنی فارسی زبان کو آج تک یہ بات نصیب نہین ملک مین آج بڑے بڑے انشاپرداز موجود ہین، جو اپنے اپنے مخصوص دائرۂ مضمون کے حکمران ہین، لیکن ان مین سے ایک شخص بھی نہین جو سرسید کے بارِ احسان سے گردن اٹھا سکتا ہو، بعض بالکل انکے دامنِ تربیت مین پلے ہین بعضون نے دور سے فیض اٹھایا ہے بعض نے مدعیانہ اپنا الگ سکہ نکالا، تاہم سرسید کی فیض پذیری سے بالکل آزاد کیونکر رہ سکتے تھے،

سرسید کی جس زمانہ مین نشو ونما ہوئی دلی مین اہل کمال کا مجمع تھا اور امرا و رؤسا سے لیکر ادنی طبقہ تک مین علمی مذاق پھیلا ہوا تھا، سرسید جس سوسائٹی کے ممبر تھے اس کے بڑے ارکان مفتی صدر الدین خان آزردہ، مرزا غالب اور مولانا صہبائی تھے ان مین سے ہر شخص تصنیف وتالیف کا مالک تھا اور انھین بزرگون کی صحبت کا اثر تھا کہ سرسید نے ابتدا ہی مین جو مشغلہ علمی اختیار کیا وہ تصنیف وتالیف کا مشغلہ تھا

اول وہ رواج عام کے اقتضا سے شاعری کے میدان مین آئے آہی تخلص اختیار کیا اور اردو مین ایک چھوٹی سی مثنوی لکھی جسکا ایک مصرعہ انکفین کی زبانی سنا ہوا مجھے یاد ہے، ع

نام میرا تھا کام انکا تھا،

لیکن حقیقت یہ ہو کہ انکو شاعری سے مناسبت نہ تھی اس لئے وہ بہت جلد اس کوچہ سے نکل آئے، اور نثر کی طرف توجہ کی، چونکہ حقایق اور واقعات کی طرف ابتدا سے میلان تھا، اس لئے دلی کی عمارتون اور یادگارون کی تحقیقات شروع کی اور نہایت محنت و کوشش سے اس کام کو انجام دیکر ۱۸۴۷ء مین ایک مبسوط کتاب لکھی جو آثار الصنادید کے نام سے مشہور ہے،

اس وقت اگرچہ سرسید کے سامنے اردو نثر کے بعض بعض عمدہ نمونے موجود تھے، خصوصاً میرامن صاحب کی چہار درویش جو ۱۸۰۲ء مین تالیف ہوئی تھی، اور جس کی سادگی، صفائی اور واقعہ طرازی آج بھی موجودہ تصنیفات کی ہمسری کا دعوی کر سکتی ہے، اس کے ساتھ مضمون جو اختیار کیا گیا تھا یعنی عمارات اور ابنیہ کی تاریخ وہ تکلف اور آورد سے ابا کرتا تھا تاہم آثار الصنادید مین اکثر جگہ بیدل اور ظہوری کا رنگ نظر آتا ہو،

اس کی وجہ یہ تھی کہ سرسید کی رات دن کی صحبت مولانا امام بخش صہبائی سے رہتی تھی اور مولانائے موصوف بیدل کے ایسے دلدادہ تھے کہ انکا کلمہ پڑھتے تھے، اور جو کچھ لکھتے تھے اسی طرز مین لکھتے تھے،

سرسید نے مجھ سے خود بیان کیا کہ آثار الصنادید کے بعض بعض مقامات بالکل مولانا امام بخش صہبائی کے لکھے ہوئے ہین جو انھون نے میری طرف سے اور میرے نام

سے لکھدیئے تھے،

بہرحال (اس کتاب مین جہان جہان انشاپردازی کا زور دکھایا ہی اسکا نمونہ یہ ہے)

"ان حضرت کی طبع رسا شکل رابع سے پہلے اس سے نتیجہ حاصل کرتی ہو کہ بیہی الانتاج سے ارباب فہم و ذکا، اور ناخن فکر عقدۂ لاینحل کو پہلے اس سے وا کرتا ہو کہ گرہ حباب کو انگشت موج دریا معنی فہمی اس درجہ کہ راست و درست سمجھ لیا کہ زبان سوسن نے کیا کہا اور رمز شناسی اس مرتبہ کہ واقعی معلوم ہو گیا کہ نگاہ نرگس نے کیا اشارہ کیا، اگر ان کی رائے روشن معجز نما ہو تو نقطہ موہوم کو انگشت سے تقسیم کرے اور جزء لایتجزی کو دو نیم"

اگرچہ اس سے بہت پہلے یعنی ۱۸۳۶ء مین مولوی محمد حسین آزاد کے والد بزرگوار مولوی محمد باقر نے اردو اخبار کے نام سے اردو کا ایک پرچہ نکالا تھا، اور خود سرسید نے ایک پرچہ جاری کیا تھا جس کا نام سید الاخبار تھا اور دونون پرچون کی زبان ضرورت کے تقضا سے سادہ اور صاف ہوتی تھی تاہم، اس وقت تک یہ زبان علمی زبان نہین سمجھی جاتی تھی، اس لئے جب کوئی شخص علمی حیثیت سے کچھ لکھتا تھا تو اسی فارسی نما طرز مین لکھتا تھا، سرسید نے بھی اسی وجہ سے آثار الصنادید مین جہان انشاپردازی سے کام لیا اسی طرز کو برتا،

آثار الصنادید جس زمانہ مین نکلی اس کے تھوڑے ہی دنون کے بعد تقریباً ۱۸۵۰ء مین دلی کے مشہور شاعر مرزا غالب نے اردو کی طرف توجہ کی، یعنی مکاتبات وغیرہ اردو مین لکھنے شروع کئے اور چونکہ وہ جس طرف متوجہ ہوتے تھے، اپنا کوچہ الگ نکال کر رہتے تھے، اس لئے انھون نے تمام ہمعصرون کے برخلاف مکاتبہ کو مکالمہ کردیا، مکاتبات

مین وہ بالکل اس طرح ادائے مطلب کرتے تھے، جیسے دو آدمی آمنے سامنے بیٹھے باتین کر رہے ہین، اس کے ساتھ بہت سے خطوط مین انسانی جذبات، مثلاً رنج و غم، مسرت و خوشی، حسرت و بیکسی، کو نہایت خوبی سے ادا کیا ہے، اکثر جگہ واقعات کو اس بیساختگی سے ظاہر کیا ہے کہ واقعہ کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے، اس لحاظ سے یہ کہنا بیجا نہین کہ اردو انشا پردازی کا آج جو انداز ہے، اور جس کے مجدد اور امام سر سید مرحوم تھے اس کا سنگ بنیاد در اصل مرزا غالب نے رکھا تھا،

(سر سید کو مرزا سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے، اس لئے کچھ شبہ نہین ہو سکتا کہ سر سید ضرور مرزا کی طرز سے مستفید ہوئے،)

اسی زمانہ مین ہندوستان کے ہر حصہ مین کثرت سے اردو اخبارات جاری ہو گئے اور اردو انشا پردازی کو روز بروز ترقی ہوتی گئی، اخبارات کو ہر قسم کے اخلاقی، تمدنی، ملکی، مذہبی، تاریخی مسائل سے کام پڑتا تھا، اس لئے ہر قسم کے مضامین لکھے گئے تاہم انشا پردازی کا کوئی خاص اسٹائل متعین نہین ہوا تھا، اس کے علاوہ جو کچھ تھا ابتدائی حالت مین تھا

(سنہ ۱۸۷۰ء مین جسکو آج کم و بیش ۲۷ برس ہوئے، سر سید نے قوم کی حالت کی اصلاح کے لئے تہذیب الاخلاق کا پرچہ نکالا اور اردو انشا پردازی کو اس درجہ پر پہونچا دیا جس سے آگے اب ایک قدم بڑھنا بھی ممکن نہین، سر سید نے اردو مین جو باتین پیدا کین اسکو وہ مختصر اً تہذیب الاخلاق مین خود ایک مقام پر لکھتے ہین، ان کی خاص عبارت یہ ہے :-

" جہان تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کی علم ادب کی ترقی مین اپنے ان ناچیز پرچون کے ذریعہ سے کوشش کی، مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف

طریقہ اختیار کیا، رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے اور جس کی شوکت صرف لفظون ہی لفظون مین رہتی ہی اور دل پر اس کا کچھ اثر نہین ہوتا پرہیز کیا، اس مین کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو مضمون کے ادا مین ہو جو اپنے دل مین ہو وہی دوسرے کے دل مین پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل مین بیٹھے"

(اس آرٹکل مین سرسید نے انشاپردازی کے اور بہت سے اصول بتائے ہین جنکو اس موقع پر ہم اختصار کی وجہ سے قلم انداز کرتے ہین،

سرسید کی انشاپردازی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے مختلف مضامین پر کچھ نہ کچھ بلکہ بہت کچھ لکھا ہی اور جس مضمون کو لکھا ہی اس درجہ پر پہونچا دیا ہو کہ اس سے بڑھکر نا ممکن ہی، فارسی اور اردو مین بڑے بڑے شعرا اور نثار گذرے ہین، لیکن انمین ایک بھی ایسا نہ تھا جو تمام قسم کے مضامین کا حق ادا کر سکتا،

فردوسی بزم مین رہجاتا ہی، سعدی رزم کے مرد میدان نہین، نظامی رزم و بزم دونون کے استاد ہین، لیکن اخلاق کے کوچہ سے آشنا نہین، ظہوری صرف مدحیہ نثر لکھ سکتا ہی، برخلاف اس کے سرسید نے اخلاق، معاشرت، پالٹیکس، مناظر قدرت وغیرہ وغیرہ سب پر لکھا ہی، اور جو کچھ لکھا ہی لاجواب لکھا ہی مثال کے طور پر بعض بعض مضامین کے جستہ جستہ فقرے نقل کرتے ہین، (امید کی خوشی پر ایک مضمون لکھا ہی جسمین امید کو مخاطب کیا ہے) اس کے چند فقرے یہ ہین :-

"دیکھ نادان بے بس بچہ گھوارہ مین سوتا ہی، اسکی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے مین لگی ہوئی ہی، اور اس گھوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہی، بات کام

مین اور دل بچہ مین ہی اور زبان سے اسکو یون لوری دیتی ہی سو رہ میرے بچے سورہ،
اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ، اے میرے دل کی کونپل
سورہ، بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزان نہ آئے، تیری ٹہنی مین کبھی کوئی خار
نہ پھوٹے، کوئی کٹھن گھڑی تجھکو نہ آئے، سورہ میرے بچے سورہ، میری آنکھون
کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ، تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ
روشن ہوگا، تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی، تیری شہرت تیری لیاقت
تیری محبت جو تو ہم سے کریگا ہمارے دل کو تسلی دیگی، سورہ میرے بچے سورہ،
سورہ میرے بالے سورہ"

" یہ امید کی خوشیان مان کو اس وقت تھین جبکہ بچہ غون غان بھی نہین کر سکتا
تھا، مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے مان کے دل کو شاد کرنے لگا
اور امان امان کہنا سیکھا، اسکی پیاری آواز ادھورے لفظون مین اسکی مان کے
کان مین پہونچنے لگی، آنسوؤن سے اپنی مان کی آتشِ محبت کے بجھانے کے قابل
ہوا، پھر مکتب سے اسکو سروکار پڑا، رات کو مان کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق
غرض وہ دل سے سنانے لگا، اور جبکہ وہ تارون کی چھاؤن مین اٹھکر مونھ ہاتھ دھوکر
اپنے مان باپ کے ساتھ صبح کی نماز مین کھڑا ہونے لگا، اور اپنے بے گناہ دل بے گناہ
زبان سے، بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا، تو امید کی خوشیان اور کس قدر
زیادہ ہوگئین، اور ہماری پیاری امید! تو ہی ہے جو مہد سے لحد تک ہمارے
ساتھ ہے"

" وہ دلاور سپاہی لڑائی کے میدان مین کھڑا ہے، کوچ پر کوچ کرتے تھک گیا

ہے، لڑائی کے میدان مین جبکہ بہادرون کی صفین چپ چاپ کھڑی ہوتی
ہین اور لڑائی کا میدان ایک سن سان کا عالم ہوتا ہی، دلون مین عجیب قسم کی خوف
ملی ہوئی جرات ہوتی ہی اور جبکہ لڑائی کا وقت آتا ہی، اور وہ آنکھ اٹھا کر نہایت
بہادری سے بالکل بے خوف ہو کر لڑائی کے میدان کو دیکھتا ہی، اور جبکہ بجلی سی
چمکنے والی تلوارین اور سنگینین اسکی نظر کے سامنے ہوتی ہین اور بادل کی سی گرجنے
والی اور آتشین پہاڑ کی سی آگ برسانے والی توپون کی آواز سنتا ہی، اور جبکہ اپنے
ساتھی کو خون مین لتھڑا ہوا زمین پر پڑا ہوا دیکھتا ہی، تو اے بہادرون کی قوت
بازو! اور اے بہادرون کی مان! تیرے ہی سبب سے فتحمندی کا خیال اسکے
دل کو تقویت دیتا ہی، اسکا کان نقارہ مین سے تیرے ہی نغمہ کی آواز سنتا ہی،
تم دیکھ سکتے ہو کہ ان چند سطرون مین کس طرح نیچر کی تصویر کھینچی ہی اور اسمین
کس قدر درد اور اثر پیدا کیا ہی،

(پالٹیکس کا رستہ اس سے بالکل الگ ہی،

پنجاب مین جب یونیورسٹی قایم ہو رہی تھی، جسمین اورنٹیل تعلیم پر بہت زور دیا
گیا تھا، سرسید کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے پالٹیکس کی بنا پر ہم کو اعلی تعلیم سے روکنا
مقصود ہی، اس وقت سرسید نے پے در پے تین آرٹکل لکھے، ان آرٹکلون نے یونیورسٹی
کے بانیون کو اس قدر گھبرا دیا کہ خاص ان آرٹکلون کے جواب مین سیکڑون مضامین
لکھے گئے، اور انکا مجموعہ یکجا کر کے ایک مستقل کتاب طیار کی، افسوس ہے کہ اختصار کی
وجہ سے ہم ان آرٹکلون کا کوئی حصہ نقل نہین کر سکتے،

سرسید نے انشاپردازی کی ترقی کے جو طریقے ایجاد کئے، ان مین ایک یہ تھا کہ بہت سے

اعلی درجہ کے انگریزی مضامین کو اردو زبان کا قالب پہنایا، لیکن ترجمہ کے ذریعہ سے نہین، کیونکہ یہ طریقہ اب تک بے سود ثابت ہوا ہی، بلکہ اس طرح کہ انگریزی کے خیالات اردو مین اردو کی خصوصیتیں کیساتھ ادا کئے، امید کی خوشی کا مضمون جس کے ہم نے بعض فقرات اوپر نقل کئے دراصل ایک انگریزی مضمون سے ماخوذ ہے، انگریزی مین اڈیسن اور اسٹیل بڑے مضمون نگار گذرے ہین، سرسید نے ان کے متعدد مضامین کو اپنی زبان مین ادا کیا،

سرسید کی انشاپردازی کا بڑا کمال اس موقع پر معلوم ہوتا ہی جب وہ کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتے ہین، اردو زبان چونکہ کبھی علمی زبان کی حیثیت سے کام مین نہین لائی گئی اسمین علمی اصطلاحات، علمی الفاظ اور علمی تلمیحات بہت کم ہین، اس لئے اگر کسی علمی مسئلہ کو اردو مین لکھنا چاہو تو الفاظ مساعدت نہین کرتے، لیکن سرسید نے مشکل سے مشکل مسائل کو اس وضاحت، صفائی اور دلآویزی سے ادا کیا ہی کہ پڑھنے والا جانتا ہی کہ وہ کوئی دلچسپ قصہ پڑھ رہا ہی،

(پروفیسر رینان نے جو فرانس کا ایک بڑا مشہور مصنف گذرا ہی، اپنے ایک مضمون مین لکھا ہی، کہ "عربی زبان مین یہ صلاحیت نہین کہ وہ فلسفی مسائل کو ادا کر سکے" رینان جن مسائل کے ادا کرنے کے لئے عربی زبان کو نا قابل سمجھتا ہی (گویا اسکا خیال محض غلط ہی) سرسید نے اردو جیسی کم مایہ زبان مین وہ مسائل ادا کر دیئے ہین، سرسید نے فلسفہ الہیات پر جو کچھ اپنی مختلف تحریرون مین لکھا ہی، وہ فلسفہ کے اعلی درجہ کے مسائل ہین،)

زمانہ جانتا ہی کہ مجھکو سرسید کے مذہبی مسائل سے سخت اختلاف تھا، اور مین ان کے بہت سے عقائد و خیالات کو بالکل غلط سمجھتا تھا، تاہم اس سے مجھکو کبھی انکار نہ ہو سکا کہ ان مسائل کو سرسید نے جس طرح اردو زبان مین ادا کیا ہی، کوئی اور شخص کبھی ادا نہین کر سکتا،

(سر سید کی تحریروں میں جا بجا ظرافت اور شوخی بھی ہوتی ہی لیکن نہایت تہذیب اور لطافت کے ساتھ مولوی علی بخش خان صاحب مرحوم جو سر سید کے رد میں رسالے لکھا کرتے تھے، حرمین شریفین گئے اور وہان سے سر سید کی تکفیر کا فتویٰ لائے، اس پر سر سید ایک موقع پر تہذیب الاخلاق مین لکھتے ہین :-

"جو صاحب ہماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، اور ہماری کفر کی بدولت ان کو حج اکبر نصیب ہوا، اُن کے لائے ہوئے فتوؤن کے دیکھنے کے ہم بھی مشتاق ہین،)

یہ ہین کرامت بتخانہ مرا اے شیخ — کہ چون خراب شود خانۂ خدا گردد

سبحان اللہ ہمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو غازی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہی،

یاران کہ در لطافتِ طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس"

(تہذیب الاخلاق جب بند ہوا ہی، تو سر سید نے خاتمہ پر جو مضمون لکھا ہی اسکے ابتدائی فقرے یہ ہین :-

"سوتوں کو جھنجھوڑتے ہین کہ جاگ اٹھین، اگر اٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہوگیا، اور اگر نیند مین اٹھانے سے کچھ بڑبڑائے، کچھ جھنجھلائے، اِدھر ہات جھٹک دیا، اُدھر سر جھٹک دیا، اور اینڈے پڑے سوتے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اٹھین گے، شاید ہمارے بھائیون کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہمکو بھی زیادہ نہ چھیڑنا چاہئے، بچے اٹھاتے وقت کہا کرتے ہین کہ ہم کو اٹھائے جاؤ گے، تو ہم اور پڑے رہین گے، تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہونگے

بچہ کڑوی دوا اپنے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہو کہ بی! بہت کیے جاؤ کہ شاباش بیٹا
پی لے، پی لے، تم چپ رہو میں آپ ہی پی لونگا، لو بھائیو! اب ہم بھی نہیں کہتے
کہ "اٹھو اٹھو پی لو پی لو")

حقیقت یہ ہے کہ سرسید نے اردو انشا پردازی پر جو اثر ڈالا ہو اس کی تفصیل کیلئے دو چار صفحے کافی نہیں ہوسکتے، یہ کام درحقیقت مولانا حالی کا ہے، وہ لکھیں گے، اور خوب لکھیں گے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ لکھ چکے ہیں، اور خوب لکھا ہوگا، میں کالج کی طرف سے مجبور کیا گیا تھا کہ اس وقت جبکہ تمام ملک میں سرسید کا آوازۂ ماتم گونج رہا ہو، اور ہر شخص انکے کارناموں کے سننے کا شائق ہو، کچھ نہ کچھ مختصر طور پر فوراً لکھنا چاہئے میں نے اسی کی تعمیل کی، ورنہ میں مولانا حالی کی مقبوضہ سرزمین میں مداخلت کا کوئی حق نہیں رکھتا، اور اس شعر کا مصداق بننا نہیں چاہتا،

اٹھا چکے ہیں زمیندار جن زمینوں کو
بھلا تردد بیجا سے ان میں کیا حاصل

(محمڈن اینگلو اورنٹیل کالج میگزین علی گڈھ مئی ۱۸۹۸ء)

املا اور صحت الفاظ

ایک معزز اور محترم بزرگ نے جو ہندوستان کے مشہور صاحبِ قلم، اور معاملات ملکی مین بڑے اہل الرائے ہین، ہم کو ایک نہایت طولانی خط لکھا ہی جسمین سخت افسوس کے ساتھ اس بات کی شکایت کی ہی، کہ نا اہلون کی وجہ سے اردو زبان روز بروز بگڑتی جاتی ہی، اور اگر اس کا تدارک نہین کیا جاتا تو ہماری قومی زبان برباد ہوئی جاتی ہی، ان کے خاص الفاظ یہ ہین :-

"آج کل مین دیکھتا ہون کہ اردو کے اخبار اور رسالے جو انگریزی پڑھے ہوئے مضامین نگار لوگ نکال رہے ہین یا اخبارون وغیرہ مین مضامین لکھتے ہین، ان غریبون کے ہاتھ سے بیچاری اردو کی ایسی مٹی خراب ہونی شروع ہوئی ہی کہ توبہ،

مضامین کا عمدہ ہونا دوسری بات ہی، مگر زبان یعنی الفاظ اور املا کی غلطیان ایسی ہوتی ہین کہ میرا تو اکثر ان کے پڑھنے تک سے دل نفرت کرتا ہی، یہ حالت خود انھین کے لئے قابلِ افسوس نہین ہے، بلکہ ایسی غلط عبارتون اور لفظون کے شیوع سے آیندہ بہت ہی برے نتائج پیدا ہون گے، لاہور کے ایک غیر انگریزی دان پرانے اخبار نویس نے جو بیچارہ سوائے عربی کے صرف معمولی سی فارسی پڑھا ہوا تھا، لفظ جناب کا مونث جنابہ بنایا، اب مین دیکھتا ہون کہ انکی بدولت یہ جنابت

ایسی بری طرح پھیلتی جاتی ہی کہ توبہ،

لفظ نذر اور نظر مین فرق نہین کیا جاتا، بجاے نافیہ کے منفی میرے خیال مین غلط ہے، اسکا استعمال برابر ہو رہا ہی، موافقت کے مقابلہ مین لفظ نفاق لکھا جا رہا ہی اور جو کوئی کسی امر مین راے مخالف رکھتا ہو اس کو اس طرح پہ خواہ مخواہ منافق کہا جاتا ہی، آپ فلان امر کے لئے مجاز نہین ہین اسکی جگہ لکھتے ہین کہ "آپ کو اس بات کا کیا مجاز ہی" محاذی کی جگہ محاذ اور ایک بڑی ضخیم کتاب کے نویسندہ صاحب نے بجاے لفظ منادی یعنی واعظ کے مناد بروزن فساد و شداد اختراع کیا ہی، وغیرہ وغیرہ، آپ کی خدمت مین یہ شکایت اس لئے لکھتا ہون کہ آپ کے اہتمام سے (جو شاید براے نام ہی) رسالہ کالج میگزین شایع ہوتا ہی، اسمین ایسی ایسی فاش غلطیان ہوتی ہین کہ جنکو دیکھکر بہت رنج ہوتا ہی، اور غضب یہ ہی کہ جبکہ اسپر لکھا جاتا ہی کہ مولانا محمد شبلی صاحب کے اہتمام سے شائع ہوا تو غور فرمایئے کہ بیچارے انگریزی خوان اردو نویسون کے لیے تو گمراہ ہو جانے کے لئے ایک بڑی دلیل ہوجائیگی، جب کوئی انکو سمجھانا چاہے گا، تو وہ یہی جواب دین گے، کہ فلان مقام پر ہم نے ایسا ہی لکھا دیکھا ہی، اور چونکہ وہ رسالہ جناب مولانا جیسے مستند شخص کے اہتمام سے شایع ہوتا ہی، تو یہ لفظ یا املا وغیرہ وغیرہ غلط کس طرح ہو سکتا ہی، اسی طرح ہمارے ایک عالی کرم فرما مصنف و مضمون نگار نے کہین ہمارے عرفی کا یہ شعر پڑھ لیا ہوگا ؎

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　آثار پدید است صنادید عجم را

یا جناب سید صاحب کی کتاب کا نام آثار الصنادید سن لیا ہوگا، اب بے تکلف آثار قدیمہ کی نسبت لفظ صنادید لکھنا شروع کر دیا، اور ان کی دیکھا دیکھی اور

لوگ بھی غلطی مین پڑتے جاتے ہین، ایک رسالہ آج کل بہار سے بنام اصلاح جاری ہوا ہے، اسکے ٹائٹل پیج پر جو ایک عرضی کا حصہ ہے وہ قابل ملاحظہ ہے،

اگر آپ اخبار علی گڈھ کا ایک حصہ واسطے اصلاح ایسے اغلاط کے مخصوص فرما کر الفاظ و املاہا ے غلط و محاورات غیر صحیح کی تصحیح فرمایا کرین تو دنیا پر خصوصًا ہماری زبان اردو پر بڑا احسان ہو ورنہ چند ہی سال مین ایک ایسی گڈ ڈامی" اردو پیدا ہوگی کہ باید و شاید، فانظر الی الابل کیف خلقت، یہ ضرور نہین کہ کاتب مضمون کا نام لیکر اخبار مین نکتہ چینی کیجائے، بلکہ صرف اشارہ کے طور پر لکھا جاسکتا ہے، اور جبکہ ایک آدھ کالم اسی کام کے لیے وقف کیا جائیگا تو لوگ خواہ مخواہ ناراض بھی نہ ہون گے، کیونکہ اس عام طریق سے کسی کی تضحیک او توہین مقصود نہ ہوگی، بلکہ محض اصلاح زبان، زیادہ کہان تک سامعہ خراشی کرون

سب سے پہلے مین اپنے محترم بزرگ کی خدمت مین یہ گذارش کرتا ہون کہ مین سال بھر سے کالج میگزین کا اڈیٹر نہین ہون، اس لئے اس کی غلطیون کا (اگر واقع مین ہین) مین ذمہ دار نہین،

اصل بحث کی نسبت اس امر سے انکار نہین ہو سکتا کہ اردو زبان مین بہت سے ایسے الفاظ داخل ہوگئے اور ہوتے جاتے ہین، جو لغت اور ترکیب کے لحاظ سے غلط ہین لیکن سوال یہ ہے کہ آیا یہ عام قاعدہ قرار پاسکتا ہے یا نہین، کہ جو لفظ اصل لغت کے لحاظ سے غلط ہے، اسکا استعمال بھی عمومًا غلط ہے، فارسی زبان مین جب عربی کا اختلاط ہوا تو عربی کے سیکڑون الفاظ اور جملے شامل ہوگئے، فارسی کے شعرا اور نثار عمومًا علوم عربیہ مین نہایت مہارت رکھتے تھے لیکن عربی الفاظ جو انھون نے برتے اس قدر غلط برتے کہ آج کم مایہ اردو دان اس سے زیادہ

غلطی نہین کرسکتے، تاہم وہی فارسی آجتک مستند اور فصیح اور شیرین سمجھی جاتی ہو

چند مثالین یہان اس موقع پر نقل کرتا ہون،

ع بہ سخنہاے دروغ تو تسلی شد و رفت، — شبلی

ع بنشست و قرآن خواند و بجنبانید ہمی سر — قاآنی

ع حجام شریف شد مزیب — واله

ع شاخ بنفشہ چون بروز لفین دوست گشت — منوچہری

ع قوم اشرب الصبوح یاایہاالنائمین — ؟

ع ور دلبیر و ببیندیش کاین خجستہ نہاد — عرفی

ع سر دِ من طرح نو انداختۂ یعنی چہ — حزین

اصل حقیقت یہ ہو کہ زبان کی ابتدا عوام سے ہوتی ہو، اور یہ گروہ صحت الفاظ سے بالکل بیخبر ہوتا ہو، خواص اسی زبان کو لیکر کاٹ چھانٹ کر اصلاح کرتے ہین، اصلاح مین وہ بہت سے الفاظ کو اسی طرح چھوڑ دیتے ہین جسکی وجہ کبھی تو یہ ہوتی ہو کہ وہ غلط الفاظ اس قدر عام استعمال مین رواج پا چکے ہوتے ہین کہ صحت کے ساتھ بولے جائین تو عام لوگون کی سمجھ مین کم آئین، اور کبھی یہ کہ یہ لمر زبان کی عزت اور خود مختاری کی دلیل سمجھی جاتی ہو کہ دوسری زبان کے الفاظ اسمین آئین تو اسی کے قالب مین ڈھلکر آئین،

فارسی اور اردو پر موقوف نہین، ہر زبان مین دوسری زبان کے الفاظ اگر اصلی حالت پر نہین رہتے، البتہ چونکہ اردو کوئی مستقل زبان نہین، بلکہ عربی، فارسی، ہندی کا مجموعہ ہے، اسلئے ہمکو عربی فارسی وغیرہ الفاظ پر تصرف کا بہت کم حق حاصل ہو، اس لئے جہان تک ہو سکے اس بات کا التزام زیادہ موزون ہو کہ غیر زبانون کے الفاظ صحیح تلفظ اور ترکیب کے ساتھ قائم رکھے جائین

لیکن اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا، کہ اساتذۂ قدیم و جدید نے عربی فارسی کے بہت سے الفاظ کو اردو زبان مین غلط طور سے برتا اور آج وہی غلط استعمالات، فصیح اور با محاورہ خیال کئے جاتے ہین

بہرحال اس قسم کے الفاظ کے استعمال و عدم استعمال کیلئے جو قاعدہ کلیہ قرار پا سکتا ہے، وہ یہ ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلّم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال مین آجائین وہ صحیح الاستعمال ہین اور جنکو اہلِ زبان نے عمومًا نہ قبول کر لیا ہو انکا استعمال صحیح نہین، اسی بنا پر جب مشہور اساتذہ مثلاً انیس، قبیر، آتش وغیرہ نے غلط الفاظ استعمال کئے تو لوگون نے اسیوقت اعتراض کیا، کیونکہ وہ الفاظ فصحا کے نزدیک استعمالِ عام کی سند نہین پا چکے تھے، اسلئے صرف ایک دو بزرگون کا استعمال گو وہ کیسے ہی مسلّم الثبوت استاد ہون صحت کی دلیل نہین قرار پا سکتا تھا،

ہمارے محترم بزرگ نے جن الفاظ کا ذکر کیا ہے وہ یقینًا فصحاے اہل زبان کے ہان مستعمل نہین ہین اسلئے انکے غلط ہونے مین کچھ کلام نہین ہو سکتا، بے شبہہ ایسے الفاظ کو بہت سختی سے روکنا چاہئے ورنہ زبان پر بہت برا اثر پڑیگا، کیونکہ اگر اس قسم کے الفاظ تحریر و تقریر مین کثرت سے پھیل گئے تو ہر شخص کہان تک یہ تحقیق کرتا پھریگا کہ ان مین سے کون سے فصحا کے نزدیک مقبول ہو چکے ہین اور کون غیر مقبول،

(محمڈن اینگلو اورئینٹل کالج میگزین علی گڈھ) مارچ ۱۸۹۸ء

اردو ہندی

"سنہ ۱۹۱۲ء مین الہ آباد گورنمنٹ نے ایک ورنیکولر اسکیم کمیٹی قائم کی تھی جسکا مقصد یہ تھا کہ اسکولون اور کالجون مین دیسی زبان کا کورس ایسی زبان مین مرتب کیا جائے جو اردو و ہندی دونون زبانون مین ایک ہی عبارت و الفاظ کے ساتھ پڑھا جا سکے، نیز اردو کے کورس مین بھاشا لٹریچر بھی ضروری قرار دیا جائے،

مسٹر برن چیف سکریٹری نے اس کے متعلق ایک اسکیم مرتب کی مولانا مرحوم اس کمیٹی کے ممبر تھے، اس اسکیم کے متعلق انھون نے جو خیالات ظاہر کئے تھے، وہ حسب ذیل تحریر ہین،

یہ تحریر اس درجہ موثر رہی کہ مسئلہ کا فیصلہ خود ہندو ممبرون کی تائید سے مولانا ہی کی رائے پر ہوا، اور اس طرح اردو ہندی بنجانے سے بال بال بچ گئی،،

مسٹر برن نے اپنی یادداشت مین جو تجویزین پیش کی ہین، ان مین اصلی اور مہتم بالشان مسائل دفعہ ۳ و ۴ ہین، ان دفعات کا ورنیکولر پر نہایت وسیع اور دیرپا اثر پڑ سکتا ہے، اس لئے ہمکو نہایت غور اور توجہ سے ان پر نظر ڈالنی چاہئے،

دفعات ۳ و ۴ کا ماحصل یہ ہے:-

"اردو زبان اور ہندی زبان، دراصل ایک ہی زبانین ہین کیونکہ انکی گرامر متحد ہے اور جن دو زبانون کی گرامر متحد ہوتی ہے، وہ زبانین دراصل ایک ہی ہوتی ہین، اس بنا پر

ورنیکولر کورس ایسی مشترک زبان مین بننا چاہئے کہ صرف رسم خط دکیرکٹر، کے فرق سے وہ اردو اور ہندی دونون بنجائے،

"لیکن ہندی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہو کہ اس کی نظم و نثر کی گرامر مختلف ہو، اس لئے ہندی نظم کی گرامر کی واقفیت اور مہارت کے لئے، راماین تلسی داس، کورس مین داخل ہونی چاہئے، ہندوؤن کے لئے وہ لازمی کردیجائے، اور مسلمانون کے لئے بھی، اس کا پڑھنا مناسب ہوگا،

اس تجویز پر بحث کرنے کے لئے ہم کو پہلے یہ فیصلہ کرلینا چاہئے کہ ہندی کے لفظ سے مسٹر برن کی کیا مراد ہو؟ ہندی دو قسم کی ہو، ایک جو دیہات مین بولی جاتی ہو، اور گنوار بولتے ہین، دوسری جو شہر مین تعلیم یافتہ ہندو روزمرہ استعمال کرتے ہین،

پہلی قسم کی ہندی تو کسی طرح کورس کی صلاحیت نہین رکھتی، جس کے دلائل حسب ذیل ہین:۔

(۱) یہ ہندی ہر ضلع کی الگ ہو، اور ان مین باہم اس قدر اختلاف ہو کہ ایک ضلع کا آدمی دوسرے ضلع کی ہندی کو مشکل سے سمجھ سکتا ہو، اس لئے یہ فیصلہ کرنا ناممکن ہوگا کہ کس ضلع کے دیہات کی زبان کورس مین داخل کیجائے،

(۲) دیہات اور گنوارون کی زبان کسی ملک مین داخل نصاب نہین کیجاتی، اور نہ وہ کبھی علمی زبان قرار پاتی ہو، انگلستان مین دیہات کی انگریزی، کسی نصاب تعلیم مین داخل نہین ہے، ایران اور عرب وغیرہ کا بھی یہی حال ہو،

(۳) یہ زبان معمولی روزمرہ کے مطالب کے ادا کرنے کے لئے کافی ہوسکتی ہو لیکن وہ کوئی علمی زبان نہین بن سکتی، حالانکہ ورنیکولر کو اس حد تک ترقی دینا مقصود ہو کہ کالج

کلاسون مین اخیر تک اس کا سلسلہ قائم رہے،

اب جو کچھ بحث ہو سکتی ہے، وہ دوسری قسم کی ہندی کے متعلق ہو سکتی ہے،

اس مین شبہہ نہین کہ شہرون مین عموماً ہندو جو زبان بولتے ہین، وہ اور اردو زبان، ایک ہی زبانین ہین، یعنی ان کے افعال اور اکثر مفرد الفاظ اور گرامر ایک ہی ہین، فرق یہ ہے کہ عام ہندو جو بالکل تعلیم یافتہ نہین ہوتے، یا جو پنڈت بھاشا اور سنسکرت مین زیادہ توغل رکھتے ہین، وہ فارسی عربی الفاظ کے بجاے، زیادہ تر ترجیح بھاشا یا سنسکرت کے الفاظ استعمال کرتے ہین، لیکن، عام تعلیمیافتہ ہندو جو ہندوستانی زبان مین مضامین اور آرٹکل اور رسالے لکھتے ہین ان کی اردو اور مسلمانون کی اردو مین مطلق فرق نہین ہوتا، متعدد علمی میگزین جن کے مالک و اڈیٹر ہندو ہین، مثلاً زمانہ کانپور، ادیب الہ آباد، زبان دہلی، ان مین ہندو انشاپرداز جو مضامین لکھتے ہین، ان کی زبان اور اعلی درجہ کے مسلمان انشاپردازون کی زبان مین کچھ فرق نہین ہوتا، وہ عموماً عربی اور فارسی علمی الفاظ کثرت سے استعمال کرتے ہین، کیونکہ علمی خیالات کے لئے معمولی ہندی کے الفاظ کافی نہین ہو سکتے اور سنسکرت کے الفاظ کی نسبت وہ جانتے ہین، کہ اگر استعمال کیے جائین تو سمجھنے والون کی تعداد تھوڑی رہجائیگی،

مسٹر برن کی غالباً یہ مراد ہوگی کہ ان دونون زبانون کا ایک ہی نصاب بننا چاہئے، اسکی مثال بھی موجود ہے، کیونکہ پرائمری اسکولون مین پانچوین درجہ تک جو کورس پڑھایا جاتا ہے اور جس مین سے جنرل ریڈر اس سلسلہ کی اخیر کتاب ہے، دونون زبانون کے کورس مین داخل ہے،

لیکن اس کے متعلق حسب ذیل امور قابل لحاظ ہین،

اس قسم کی مشترک زبان، صرف اس حد تک کے لٹریچر کے لئے کافی ہوسکتی ہی جو نہایت معمولی مطالب اور خیالات کے اداکرنے کے لئے کافی ہو، جیسے کہ جنرل ریڈر کی زبان ہی لیکن جبکہ یہ مقصود ہے کہ ورنیکولر کا سلسلہ کالج کے اخیر کلاسون تک قائم رہے تو ایسے نصاب کے بنانے کی ضرورت ہوگی، جسمین ہر طرح کے علمی مضامین اور علمی خیالات اداکئے جائین، اس حالت مین ان مضامین اور خیالات اور اصطلاحات کے اداکرنے کے لئے عام روزمرہ کے الفاظ کافی نہ ہون گے، بلکہ کسی علمی زبان سے مستعار لینے پڑین گے، یہ علمی زبان، عربی یا سنسکرت ہوگی، اور یہان سخت کشمکش پیدا ہوگی، مسلمان ہرگز اس بات پر رضامند نہ ہونگے کہ بجاے ان عربی الفاظ کے جنکو ہر تعلیمیافتہ مسلمان نہایت آسانی سے فوراً سمجھ سکتا ہے سنسکرت کے الفاظ سیکھین جو ان کے لئے بالکل گوش ناآشنا ہین، ہندو بھی اگرچہ ان الفاظ سے درحقیقت گوش آشنا نہین ہونگے، لیکن وہ بطور ایثار کے اس محنت کو برداشت کرین گے، بہرحال جنرل ریڈر، مروجہ حال سے آگے چل کر صاف فیصلہ کردینا ہوگا کہ ہندی اور اردو کے کورس الگ الگ ہوجائین، ورنہ ان دونون زبانون کے مخلوط کرنے سے حسب ذیل نقصانات ہونگے،

(۱) ہمیشہ ایک کشمکش رہیگی، نصاب بنانے مین ہندو اور مسلمان، دونون اپنی اپنی قومی زبان یعنی عربی اور سنسکرت کی طرفداری کرین گے، اور کبھی کوئی اور کبھی کوئی فریق کامیاب ہوگا،

(۲) دونون سے ملکر ایک نئی زبان پیدا ہوگی، جو نہ اردو ہوگی نہ ہندی، اردو اور ہندی دونون زبانون کو اس حد تک ترقی دینا چاہیے کہ وہ علمی زبانین بنجائین، اور ان مین ہر قسم کے خیالات اور مضامین اداکئے جاسکین، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہی جب دونون کو علحدہ علحدہ آزادی کے ساتھ ترقی کا موقع دیا جائے، اور ایک دوسرے کی راہ مین حائل نہ ہو،

ہم کو اس بات پر بھی سب سے زیادہ نظر رکھنی چاہئے، کہ زبان کو اس حد تک ترقی دینی چاہئے کہ اس کی تصنیفات ہمارے صوبہ تک محدود نہ رہین، بلکہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ لوگون مین رواج پا سکین، یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ ہندوستان کے تمام تعلیم یافتہ مسلمانون کی زبان اردو ہے، پنجاب، بنگال، مدراس، بمبئی مین قابل اور لائق مسلمان جو تصنیفات انگریزی زبان کے علاوہ کرتے ہین، وہ اردو مین ہوتی ہین، اور یہ وہی اردو ہے، جو سنسکرت الفاظ سے بالکل خالی ہے، اس لئے اگر اس زبان کو سنسکرت الفاظ ملا کر ہندی اور اردو کی ایک نئی زبان بنائی جائے گی، تو ایک زبان جو تمام ہندوستان کی اور کم از کم یہ کہ تمام مسلمانون کی لینگوا فرنکا ہے گھٹ کر ایک صوبہ بلکہ ایک ضلع کی زبان رہجائے گی،

اب مین مسٹر برن کی اس منطق کی طرف متوجہ ہوتا ہون جو ان کی تمام تجویزون کا سنگ بنیاد ہے، یعنی یہ کہ ہندی اور اردو کی گرامر ایک ہین،

دو زبانون کی گرامر کے متحد ہونے سے صرف یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ دونون ایک ہی خاندان کی زبان ہین، یا ایک دوسرے سے نکلی ہین، اسیرین زبانون مین گرامر کے اعتبار سے ایک عام اتحاد پایا جاتا ہے، اور یہ اتحاد بعض زبانون مین بہت زیادہ ہوتا ہے، تاہم وہ زبانین مختلف رہتی ہین، اور ان سے مشترک کورس نہین تیار ہو سکتا، عبری زبان کی جو گرامر آج کل بیروت مین شائع ہوئی ہے، اور جو ایک قدیم مستند تصنیف ہے، وہ عربی کے نہایت قریب ہے، اور اس اتحاد سے کسی طرح کم نہین جس قدر کہ ہندی اور اردو مین اتحاد ہے، تاہم عبری اور عربی زبان کا کوئی مشترک کورس نہین بن سکتا،

اس کے علاوہ اگر دو زبانون کی گرامر ایک ہو لیکن الفاظ بالکل مختلف ہون تو

ان کو ایک زبان نہین کہہ سکتے مشرقی ہندوستان کی زبانون کی گرامر قریباً بالکل متحد ہے، باوجود اس کے نہ وہ ایک زبانین کہی جا سکتی ہین نہ ان کا کوئی مشترک کورس بن سکتا ہی،

مسٹر برن کا یہ دعوی اور سخت حیرت انگیز ہے کہ ہندی کی نظم کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ اس کی گرامر، نثر کی گرامر سے مختلف ہے نظم و نثر مین گرامر کا ایک خفیف فرق تمام زبانون مین اس لحاظ سے ہوتا ہی کہ نظم مین وزن کی ضرورت سے الفاظ آگے پیچھے کر دیئے جاتے ہین لیکن اس کے لیے علیحدہ گرامر بنانے کی ضرورت نہین ہوتی، متعلم خود سمجھ لیتا ہی کہ وزن کی ضرورت نے یہ تغیر کر دیا ہی، ہندی زبان کی نظم کی گرامر نثر سے مختلف ہوگی تو اسی قدر ہوگی اس سے زیادہ اختلاف کی کوئی وجہ نہین ہو سکتی،

نظم کی گرامر کے مختلف ہونے سے جو استدلال کیا گیا ہی اسمین سخت منطقی مغالطہ ہی، راماین کی گرامر مختلف ہے لیکن اسکی یہ وجہ ہی کہ آج سے تین سو برس پہلے کی زبان ہے اس زمانہ کی اگر کوئی نثر ملے گی، تو آج کی نثر کی گرامر سے اسی قدر مختلف ہوگی جسقدر کہ نظم کی گرامر مختلف ہی،

راماین کی زبان آج کل کی ہندی نہین ہی، اسلئے اسکو کورس مین داخل کرنا اگر اس لحاظ سے ہی کہ زبان کی وسیع واقفیت کے لیے اسکی ابتدائی حالت اور عہد بعہد کی تبدیلیون سے واقفیت ضروری ہی تو یہ رائے بالکل بجا ہے، لیکن اس غرض کے لیے دو امر کا لحاظ ضروری ہے ایک یہ کہ ایسا کورس اسکول کے لیے موزون نہین، بلکہ کالج کلاسون مین داخل ہونا چاہیے جس طرح کہ قدیم انگریزی زبان کی کوئی کتاب انٹرنس تک داخل نہین ہے،

دوسرے یہ کہ اس قسم کا کورس خالص ہندی زبان کے لیے ہونا چاہیے جو صرف

ان لوگون کے لئے بنایا جائے جو ہندی بھاشا اور سنسکرت کی تحصیل کرنا چاہتے ہین، ایسا کورس عام ورنیکولر کے لئے بالکل موزون نہین ہو سکتا،

اخیر مین مین نہایت زور سے کہتا ہون کہ نہایت ابتدائی درجون تک ایک سادہ زبان جو عربی اور سنسکرت دونون سے قریباً آزاد ہو اختیار کیجا سکتی ہی، لیکن ہائر کلاسون کیلئے اردو اور ہندی زبانون کو بالکل الگ الگ قایم کرنا چاہئے، اور اسی صورت مین دونون اعلی درجہ تک ترقی کر سکتی ہین،

گرامرون کے معمولی اشتراک سے دونون زبانون کو ایک قرار دینا اور اس کی بنا کر اخیر درجہ تک دونون کا ایک نصاب بنانا سخت غلطی ہی جس سے دونون زبانین برباد ہو جائینگی،

(معارف اکتوبر ۱۹۱۶ء)

بھاشا زبان
اور
مسلمان

" ناظرین کو یاد ہوگا کہ ایک سربرآوردہ ہندو اڈیٹر نے ایک مضمون لکھا تھا جسمین دعوی کیا تھا کہ مسلمانون نے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہندی علم ادب پر کبھی توجہ نہین کی، اور اگر اتفاقیہ کسی نے کچھ کی تو اس کو مسلمانون نے کافر کہکے پکارا، اس کا جواب الندوہ کے پرچہ مین "مسلمانون کی بے تعصبی" کے عنوان سے لکھا گیا تھا، جسمین مسلمانون کی اُن فیاضیون کو بہ تفصیل دکھایا گیا تھا، جو سنسکرت اور بھاشا کی تصنیفات کی حفاظت، ترجمہ اور اشاعت کے متعلق ان سے ظہور مین آئین،

یہ مضمون اسی کا دوسرا حصہ ہے، اسمین یہ دکھایا ہے کہ ترجمہ اور اشاعت کے علاوہ مسلمانون نے خود بھاشا زبان مین کیا کیا تصنیفات کین، اور بھاشا کی شاعری مین کس درجہ کا کمال پیدا کیا،

یہ امر بھی اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے کہ سنسکرت زبان ایک مدت سے متروک ہے، یعنی ایک زمانہ دراز سے خود ہندو بھی اس زبان مین تصنیف و تالیف نہین کرتے، اور اسلام کے زمانہ سے تو غالبًا کوئی کتاب اس زبان مین نہین لکھی گئی، ہندوون کی تصنیفات

یا شاعری جو کچھ ہے بھاکھا زبان مین ہی اس لئے مسلمانون نے بھی جو کچھ لکھا اسی بھاشا زبان مین لکھا"

عام طور پر مشہور ہی کہ سب سے پہلے جس شخص نے بھاکھا زبان مین شعر و شاعری کی، وہ حضرت امیر خسرو ہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس سلسلہ کا پتہ آگے تک چلتا ہی مسعود سعد سلمان جو سلطنت غزنویہ کا مشہور شاعر گذرا ہے، اور جو حضرت امیر خسرو سے تقریباً دو سو برس پہلے تھا، اسکی نسبت تمام تذکرے متفق اللفظ ہین کہ ہندی زبان مین بھی اس نے ایک دیوان لکھا تھا تذکرہ مجمع الفصحار مین لکھا ہی :-

"الحاصل وے را سہ دیوان بود تازی، ہندی، و پارسی"

اس واقعہ سے صرف والہ داغستانی نے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے ملک کی زبان مین اس قدر کمال نہین پیدا کر سکتا کہ اسمین شاعری کر سکے لیکن مولوی غلام علی آزاد نے اس شبہہ کو اس طرح رفع کر دیا کہ مسعود سعد سلمان گو خاندان کے لحاظ سے ایرانی تھا لیکن پیدا لاہور مین ہوا تھا، اس لئے ایک ہندوستان زاد کا ہندی مین اس درجہ کا کمال پیدا کرنا کچھ بعید نہین،

حضرت امیر خسرو نے سنسکرت اور بھاکھا مین جو کمال پیدا کیا، وہ محتاج اظہار نہین مثنوی نہ سپہر مین انھون نے خود اپنی سنسکرت دانی کا ذکر کیا ہی، افسوس ہو کہ انکے بھاکھا کے خالص اشعار آج ناپید ہین، عام زبانون پر صرف وہ اشعار ہین جنمین انھون نے فارسی اور بھاکھا کو پیوند دیا ہی، مثلاً :-

چون شمع سوزان، چو ذرہ حیران	ز مہر آن مہ بگشتم آخر
نہ نیند نینان نہ انگ چینان	نہ آپ آوین نہ بھیجین پتیان

آنکھ   بدن   آرام   خط

اس طرز کے اُن کے اشعار عام طور پر مشہور ہین، اس لئے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہین،

امیر خسرو کے بعد شیر شاہی عہد مین ملک محمد جائسی پیدا ہوئے، وہ بھاکا زبان کے ایسے بڑے زبردست شاعر تھے کہ خود ہندوؤن مین آج تک کوئی اُنکا ہمسر نہین پیدا ہوا، پدماوت اُن کی مثنوی آج موجود ہے، اور گھر گھر پھیلی ہوئی ہی، ہندوؤن مین سب سے بڑا شاعر آخر زمانہ کا کالیداس گذرا ہے، جس نے رامائن کا بھاکا مین ترجمہ کیا ہی، نکتہ شناسون کا بیان ہے، کہ قدرتِ زبان کے لحاظ سے پدماوت کسی طرح رامائن سے کم نہین، اور اس قدر تو ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ پدماوت کے صفحہ کے صفحہ پڑھتے چلے جاؤ، عربی فارسی کے الفاظ مطلق نہین آتے اور یون شاذونادر تو رامائن بھی ایسے الفاظ سے خالی نہین، ملاحظہ ہو،

رامائن کے بعض اشعار،

رام اینک گریب نواجے — لوگ بر بر برد برا جے
(غریب نواز)
گنی، گریب، گرامم، نرناگر — پنڈت موٹے ملین اوجاگر
(غنی) (غریب)

ملک محمد جائسی نے پدماوت کے سوا بھاکا مین اور بھی دو مثنویان لکھین جو ان کے خاندان مین اب بھی موجود ہین، لیکن افسوس کہ ان کے چھپنے کی نوبت نہین آئی،

اکبر کے زمانہ مین ہندی زبان کو اور بھی قبولِ عام حاصل ہوا، نوبت یہان تک پہونچی کہ امرا اور شہزادے تک ہندی زبان مین شاعری کرتے تھے، شہزادہ دانیال (پسر اکبر شاہ) کے ضمنی تذکرہ مین جہانگیر اپنی تزک مین لکھتا ہے:۔

"بہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بہ زبانِ اہلِ ہندو باصطلاحِ ایشان شعرے مگفت، بد نبود"

عبد الرحیم خان خانان جو دربارِ اکبری کا گل سرسبد تھا ہندی شاعری مین کمال

کا درجہ رکھتا تھا، اسی کتاب مین خان خانان کے وفات کے ذکر مین لکھا ہی،

"خان خانان در قابلیت و استعداد یکتاے روزگار بود و زبان عربی و ترکی و فارسی و ہندی می دانست و از اقسام دانش عقلی و نقلی حتی علوم ہندی بہرہ وافی داشت، و بہ زبان فارسی و ہندی شعر نیکو گفتہ"

جہانگیر کے زمانہ مین غواصی نام ایک شاعر تھا اس نے طوطی نامہ کو جو نثر مین تھا اس طرح نظم کیا کہ ایک مصرعہ فارسی اور ایک ہندی مین تھا، اس سے اس کی قدرتِ زبان کا اندازہ ہوسکتا ہی، میر حسن[1] صاحب اپنے تذکرۂ شعرا مین لکھتے ہین:۔

"غواصی تخلص در وقتِ جہانگیر بادشاہ بود، طوطی نامہ نخشبی را نظم نمودہ است بزبان قدیم نصفے فارسی و نصفے ہندی بطور ریکٹ کہانی اسر سری دیدہ بودم شعرِ آن نظم بیاد نیست"

اسی زمانہ مین ملا نوری ایک بزرگ تھے جو قصبہ اعظم پور کے قاضی زادون مین تھے اور فیضی سے نہایت اتحاد رکھتے تھے، وہ اگرچہ فارسی کہتے تھے، لیکن کبھی کبھی ہندی مین بھی طبع آزمائی کرتے تھے، ریختہ یعنی اردو زبان کی ترکیبین بھی ان کے کلام مین پائی جاتی ہین، چنانچہ میر حسن صاحب نے اپنے تذکرہ مین انکا ایک شعر نقل کیا ہی،

ہر کس کہ خیانت کند البتہ بترسد　　　بیچارۂ نوری نہ کرے ہے نہ ڈرے ہے

اکبری اور جہانگیری دور مین سب سے زیادہ جس نے اس فن مین نام پیدا کیا، وہ شیخ شاہ محمدؒ بن شیخ معروف فرلی تھے، یہ بلگرام کے رہنے والے تھے، اور حصار کی حکومت پر ممتاز تھے، ایک دفعہ سفر مین ایک ہندو لڑکی کی حاضر جوابی ان کو بہت پسند آئی، اسکو ساتھ لائے، اور تربیت کی چنانچہ ان کے اکثر دوہے اور کبت اسی کے ساتھ سوال جواب مین ہین،

[1] میر حسن مصنف بدر منیر کا تذکرۂ شعرا ہمارے کتب خانہ مین موجود ہے،

ایک دفعہ سفر سے آئے اپنے انکو مدت کے بعد دیکھا تو جوشِ محبت سے اسکی آنکھون سے آنسو نکل آئے، انھون نے کہا،

کم درگ ڈھری سنار | مم آیو بھایو نہین
کیون تیری آنکھ آبدیدہ ہوئی اے نازنین | کیا میرا آنا پسند نہین ہوا!

اس نے برجستہ کہا،

لینھن نین پکھار | لمن ہتی تو کو درس بن
آنکھ صاف کرنا | گرد آلود تیرے دیدار کے بغیر

یعنی چونکہ میری آنکھین تمھاری جدائی مین گرد آلود ہو رہی تھین، اس لئے مین نے ان کو آنسوؤن سے دھو لیا،

شیخ محمدؒ کے اشعار نہایت کثرت سے سرو آزاد کے دوسرے[1] حصہ مین نقل کئے ہین،

---

[1] یہ بات جتا دینے کے قابل ہے کہ مولوی غلام علی آزاد نے سرو آزاد جو تذکرہ لکھا اس کے دو حصے کئے، ایک فارسی شعرا کے ذکر مین اور دوسرا ہندی یعنی بھاشا کہنے والون کے حالات مین، اُس دوسرے حصہ کی تمہید مین لکھتے ہین ا

"فصل ثانی در ذکر قافیہ سنجان ہندی جزاہم اللہ بجائزۃ الحسنیٰ پیدا ان بازبان عربی و فارسی و ہندی آشنائیم وازہر سہ میکدہ بقدر حوصلہ قدحے می پیایم ہشتق سخن ہندی ہر چند اتفاق نیفتادہ اما سامعہ را از نوائے طوطیان ہند حظے وافر است و ذائقہ را از چاشنی شکر فروشانِ این گل زمین نصیبے متکاثر، افسون خوانانِ ہند ہم درین وادی پائے کمی ندارند بلکہ در فن نایکا بید قدم سحر سازی پیش می گذارند، موزونانِ زبانِ ہندی، در بلگرام فراوان جلوہ نمودہ اند لہذا فصل این جماعہ علٰحدہ بہ تحریر رسیدہ تا معطرے بدست بوشناسان حوالہ گردید"

پھر اس حصہ کے خاتمہ مین لکھتے ہین :-

"بہ اقتضائے ترتیبے کہ درین تالیف اختیار افتادہ ختم کتاب بر نظم ہندی دست بہم دادہ، چہ مضائقہ بعض الفاظ ہندی جزو فرقان عظیم است"

سرو آزاد کا یہ حصہ، ہمارے دوست نواب نور الحسن خان خلف اکبر (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۴ پر ہے)

تیموری سلاطین بھاشا زبان کی شاعری کی اسی طرح قدردانی کرتے تھے جس طرح وہ اپنی شاہی زبان (فارسی) کے قدردان تھے اور یہ اس بات کا بڑا سبب تھا کہ ہندی شاعری بھی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، راجہ سورج سنگھ نے جب ایک ہندو شاعر کو جہانگیر کے دربار مین پیش کیا، اور اس نے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی تو جہانگیر نے ایک ہاتھی انعام مین دیا، چنانچہ خود تزک مین لکھتا ہے:-

"باین تازگی مضمونے از شعرائے ہندکم بگوش رسیدہ بہ جلدوے این مدح فیلے بہ او مرحمت کردم"

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی مین ترجمہ بھی کیا گیا،

گر پسر داشتے جہان افروز | شب نہ گشتے ہمیشہ بودے روز
زان کہ چون او نہفت افسر زر | بہ نمودے کلاہ گوشہ پسر،
شکر کز بعد او چنان پدرے، | جانشین گشت این چنین پسرے
کہ ز شنقار گشتن آن شاہ | کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ

ان اشعار کا حاصل یہ ہے کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا تو اُس کا بیٹا اُس کے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد (اکبر شاہ) کو خدا نے ایسا بیٹا دیا کہ لوگون نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ماقبل) جناب نواب صدیق الحسن خان مرحوم نے اپنے تذکرہ طور کلیم مین تمام شامل کر لیا چنانچہ فروغ دوم مین جہان سے ہندی شعرا کا تذکرہ ہے عبارت تمہیدی بھی وہی سرو آزاد کی ہے مین اس مضمون مین بلگرامی شعرائے بھاکا کا جو تذکرہ لکھونگا اور انکے اشعار نقل کرونگا وہ طور کلیم سے منقول ہونگے لیکن طور کلیم کا یہ حصہ دراصل سرو آزاد ہے طور کلیم چھپ گیا ہے اور ہر جگہ ملتا ہے اسلئے ناظرین کو وہ باسانی ہاتھ آسکتا ہے۔ (۱) تزک جہانگیری مطبوعہ علیگڈھ صفحہ ۲۷۶

ہندی تصنیفات کے ساتھ مسلمانون کی توجہ کی یہ نوبت پہونچی کہ لوگ ہندی کی مشہور کتابون کو زبانی یاد کرتے تھے، امین رازی تذکرہ ہفت اقلیم مین میر ہاشم محترم کے حال مین لکھتے ہین :-

" امروز در ہندست، تمام کتاب مہابھارت راکہ مجمع اسامی غریبہ وحکایات عجیب است ورد کردارد"

اس مسئلہ مین حیرت انگیز بات یہ ہے کہ عالمگیر کو نہایت متعصب کہا جاتا ہی اور عام خیال ہے کہ وہ ہندوون کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا، لیکن مسلمانون نے بھاشا زبان پر جس قدر اُس کے زمانہ مین توجہ کی پہلے بھی نہین کی تھی ضمیر ایران کا ایک مشہور شاعر تھا، وہ عالمگیر کے زمانہ مین ایران سے آیا اور شاہی منصب دارون مین مقرر ہوا، اُس نے بھاشا زبان مین انتہا درجہ کا کمال پیدا کیا، اگرچہ بھاشا و سنسکرت کے الفاظ کا وہ صحیح تلفظ نہین کرسکتا تھا، تاہم اس زبان مین نہایت برجستہ اشعار کہتا تھا، ہندی مین اُس کا تخلص پیتھی تھا، پارجاتک جو موسیقی مین ہندی زبان کی مشہور کتاب ہے اس کا ترجمہ اُسی نے فارسی زبان مین کیا، مولوی غلام علی آزاد بلگرامی ید بیضا مین اُس کے حالات کے ذیل مین لکھتے ہین :-

" درعہد عالمگیر بادشاہ از ولایت ایران بہ ہند آمدہ و درسلک منصبداران شاہی انتظام داشت، باوجود آن کہ بہ ہند آمدہ زبان این ولایت آموخت اما بواسطہ تیزی ذہن در نظم ہندی طبع او آن قدر دخیل شد کہ از جملہ استادان فن برآمد، زبانش بہ تلفظ این زبان خوب نمی گردید امانظم بسیار ریختہ واقع می شد و در ہندی پیتھی تخلص میکرد ترجمہ پارجاتک در فن رقص و نغمات ہندی از وست"

عالمگیر ہی کے متوسلین مین ایک اور شاعر دانا تخلص تھا، اس کی نسبت مولوی غلام علی آزاد بلگرامی، ید بیضا مین لکھتے ہین،

"نظم ہندی بسیار خوب گفتہ"

بھاشا کی زبان دانی اور شاعری کا ذوق، اس زمانہ مین اس قدر عام ہوا کہ بڑے بڑے علما اور حضرات صوفیہ اسمین کمال پیدا کرتے تھے، شیخ غلام مصطفیٰ متخلص بہ افسان بہت بڑے پایہ کے شخص گذرے ہین، وہ قوم کے کنبو اور مرادآباد کے رہنے والے تھے معقولات کی تحصیل حضرت ملا قطب الدین شہید سہالوی (جد مولانا بحر العلوم) کی خدمت مین کی، حدیث کا فن محدث دہلوی کے خاندان سے حاصل کیا، تصوف مین شیخ جان محمد شاہ جہان آبادی کے مرید تھے، طب، نجوم، خوشنویسی، فن جنگ، ان تمام چیزون مین کمال رکھتے تھے، عالمگیر کے زمانہ مین منصبداری کے عہدہ پر مامور ہوکر دکن گئے، لیکن چند روز کے بعد استعفا دیکر چلے آئے، ۱۱۴۲ھ مین بمقام ایلچپور وفات پائی ہندی زبان اور بھاشا کی شاعری مین انکا جو درجہ تھا، اسکا اندازہ مولوی غلام علی آزاد کی عبارت ذیل سے ہو سکتا ہے،

"علم ہندی بحیثیتے کہ اکثر براہمہ حل غوامض از خدمت شیخ میکردند و شعر ہندی نیز خوب میگفت، صنادید شعرائے ہندی (برہمن) در حضور او سر فرو می آوردند و اصلاح کبت خود میگرفتند" (سرو آزاد)

عبد الجلیل بلگرامی | (مولوی غلام علی آزاد کے نانا) جو عالمگیر کے درباری تھے ہندی زبان کے ممتاز شاعر تھے، فارسی قصیدون مین بھی کہین کہین بھاشا بول جاتے ہین چنانچہ ایک قصیدے مین لکھتے ہین :-

اسیس دیکھے، سکے ہندوی مین لوین مت رہے جگت مین اچل باس یہ ورسدا

یہ ذوق اس قدر ترقی کرتا گیا کہ محمد شاہ کے زمانہ مین جب راجہ جے سنگھ والی جیپور نے بیس لاکھ کے صرف سے رصدخانہ قائم کیا، اور فن ریاضی کے ساتھ نہایت اہتمام کیا تو علماے اسلام نے اس کے حکم سے شرح چغمینی اور ہیئت کی اور کتابون کا ترجمہ بھاشا زبان مین کیا، چنانچہ آزاد، سبحۃ المرجان مین لکھتے ہین:-

وقد نقل العلماء الاماند بامر جی سنگھ شرح الچغمینی وغیرہ من کتب الھیئۃ والھندسۃ من العربیۃ الی الھندیۃ (سبحۃ المرجان صفحہ ۱۳۵)	ہندوستان کے علما نے جے سنگھ کے حکم سے شرح چغمینی وغیرہ کتابون کا جو علم ہیئت اور ہندسہ مین تھی عربی زبان سے ہندی زبان مین ترجمہ کیا،

شرح چغمینی اس درجہ کی مشکل کتاب ہے کہ اردو مین اس کا ترجمہ نہین کیا جا سکتا اس سے قیاس کرنا چاہئے کہ جو علما بھاشا زبان مین اس کا ترجمہ کر سکے ان کی بھاشا دانی کا کیا رتبہ ہوگا

اسی زمانہ مین سید نظام الدین بلگرامی نے سنسکرت اور بھاشا کے علم ادب مین نہایت شہرت حاصل کی سنسکرت کے حاصل کرنے کے لئے بنارس کا سفر کیا اور وہان رہکر اس علم کی تکمیل کی، ہندی موسیقی مین اس درجہ کا کمال پیدا کیا کہ لوگ ان کو نایک کہتے تھے، چنانچہ اس فن کے متعلق بھاشا مین دو کتابین تصنیف کین ناوچندرکا اور مدھنایک سنگار، بھاشا مین مدھنایک تخلص کرتے تھے ۱۱۸۰ھ مین وفات پائی، کلام کا نمونہ یہ ہے:

جو چترا ان چیت چڑھے، نہ بڑھے بدھ بیدن گرنتھ نہ گائے
فرشتہ دل ترکیب و صورت، عقلا کتب ہائی، قدیم کتابین

بھارتی، بھوی کری۔ بجرین، جپ، جوگت، جوگ ا تھیہ گنائے
خوبائی سبحہ گردانی ریاضت مرتاض

جو مکھ جوت جگی، نہ تھگی مدھنا یک گھونگھٹ چنچل پائے
چہرہ روشنی نام شاعر شوخی

جھنین، دو کول، تھے جھلکی، انچھ، براجت، اچھ رجھائے
باریک دوپٹہ زیب دینا بے مثل فریفتہ کرنا

مطلب یہ ہے کہ تیری آنکھین نقاب کے اندر جس قدر خوش نما ہین اسکی خوبی فرشتون کے خیال مین بھی نہین آسکتی اور نہ آسمان کی کتابون مین ان کی توصیف پائی جاتی ہے،

قوت نطق خود محو حیرت ہے، اور زاہد مرتاض، سبحہ گردانی سے بھی زیادہ، اس کا مداح ہے، نقاب ان آنکھون کی خوبی کو چھپا نہین سکتی، بلکہ باریک دوپٹہ اس کی خوبی اور بھی دوبالا کردیتا ہے،

ان کا اور بہت سا کلام سرو آزاد مین نقل کیا ہے، لیکن چونکہ ناظرین کے لئے وہ نامانوس صدا ہوگی، اس لئے ہم اسکو قلم انداز کرتے ہین،

سید رحمت اللہ پسر سید خیر الدین بلگرامی بھاشا زبان کے مشہور استاد تھے سلطنت کی طرف سے دو صدی منصب اور جاگیر مقرر تھے، اس زمانہ مین بھاشا کا مشہور شاعر چنتامن ایک ہندو تھا، اس کا ایک شاگرد رحمت اللہ کا شہرہ سنکر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، اور چنتامن کا دوہا ان کے سامنے پڑھا،

ہوہرت ادکرت ات چنتامن چیت چین
وا مرگ نینی کی لکھی واہی کی سی ہین،

سید رحمت اللہ نے اس دوہہ مین غلطی نکالی اور چنتامن نے سنا تو غلطی تسلیم کرکے اُس کی اصلاح کردی، چنتامن نے سید رحمت اللہ کی مدح مین ایک دوہہ بھی لکھا، جس کا مطلع یہ ہے:۔

گرب گنگ جیوات سبل گل گاج من پیل گج باج دل ساج دھایو
نود تیر بلند فوج اظہار دلیری زیر حفاظت ہاتھی گھوڑا فوج آراستہ حملہ کیا

بجت اک چمک گگن گھک د ندبھن کی ترنگ، گھر دھمک بھو تل ہلایو

ایک طرح پر / گردون شگاف / نقارہ / گھوڑیگا / سم / زمین

سید رحمت اللہ نے ۳۰ ربیع الثانی ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی، ان کے بہت سے دوہے سرو آزاد میں نقل کئے ہیں، ہم صرف ایک پر اکتفا کرتے ہیں،

کر اجائے جمھائے تیہ دھاری بج یہ کھبائے،
ہاتھ / بلند کرنا / انگڑائی / بازو / خوشنما معلوم ہوئے
منو چپلا دوی چمک ہوئے گری بھوم پر آئے،
گویا / بجلی / زمین

یعنی محبوب نے جمہائی لیتے ہوئے جب دونوں ہاتھ اٹھا کر نیچے کر لئے تو یہ معلوم ہوا کہ گویا دو بجلیان چمک کر زمین پر گر پڑین،

سید غلام نبی پسر سید محمد باقر، سید عبد الجلیل بلگرامی کے بھانجے تھے، ۲ محرم ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے، سید عبد الجلیل اس زمانہ میں عالمگیر کے ساتھ دکن کی مہم پر تھے، بھانجے کے پیدا ہونے کی خبر سنی تو سال تاریخ کی فکر ہوئی اسی حالت میں سو گئے، اور خواب میں یہ مادہ ہات آیا ع

نور چشم باقر عبد الحمید م

تفاؤل کے طور پر پیشین گوئی کی کہ یہ لڑکا شاعر ہوگا، خدا کی قدرت پیشین گوئی صحیح اتری، اگرچہ عربی و فارسی میں بھی مہارت رکھتے تھے لیکن بھاشا کی شاعری میں نہایت کمال پیدا کیا، ۱۱۶۳ھ میں نواب وزیر اور افاغنہ کی لڑائی میں، نواب کے ہمرکاب تھے، اور عین معرکہ جنگ میں مارے گئے، مولوی غلام آزاد سے نہایت درجہ کا اتحاد تھا، چنانچہ آزاد نے تاریخ کہی

ع رقم کردہ ہے غلام نبی،

بھاشا زبان میں ایک دیوان لکھا جسمین ۷۰۰ دوہے ہیں، اس کا نام انگ درپن رکھا، بھاشا میں انکا تخلص رس لین ہے، رس کے معنی بھاشا میں دیدار کے ہیں، اور لین کے

معنی محو کے ہین، رسلین کا لفظی ترجمہ محو دیدار ہے، ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے،

توحید

تیری منور تھو کو ہوت ہے سین، لوک تون ہی ہوئی اکاش کرت نکھت اودوت
مطلب اشارہ دنیا آسمان ستارہ روشنی
تون ہی چار و تتو سیل، ترن پین پنچھی ہوت تون ہی میگھ بوجھی، کوت اور اکوت
اربعہ عناصر پہاڑ درخت چرند پرند بادل ڈونتا ہی حساب بے حساب
تون ہی بن ناری بھرتا، کی رسلین ہوت تون ہی ہوئی کی بتر لیپ ان تن لوت
عورت شوہر دشمن
جاگ پرین جھو نتون جیون سپن، لوگ ہوت تیون ہین اتما بچاری لوک جاگت کو موہ
بیداری خواب روح

یعنی تیرے ہی اشارہ سے دنیا پیدا ہوتی ہے، تو ہی آسمان بنکر ستارون کو روشن کرتا ہے، تو ہی اربعہ عناصر اور پہاڑ، درخت، چرند، اور پرند بنجاتا ہے، تو ہی بادل بنکر بحساب بارش کرتا ہے، تو ہی عورت کے قالب مین آکر مرد کا راحت رسان ہے، تو ہی بالآخر موت کی صورت مین جان کا دشمن ہے، تو جس طرح کہ جاگنے کے بعد خواب بالکل وہم معلوم ہوتا ہے، اسی طرح خداشناسون کے نزدیک یہ دنیا تمام تر خواب ہے،

سید برکت اللہ بہت بڑے فقیہ تھے، بھاشا مین شعر کہتے تھے، اور پیمی تخلص کرتے تھے، بھاشا مین جو ان کے نظمون کا مجموعہ ہے اس کا نام خود انھون نے پیم پرکاس رکھا تھا، عوارف المعارف مین ان کا بہت سا کلام نقل کیا ہے، ہم صرف ایک دوہے پر اکتفا کرتے ہین،

چکہ جوگی کنٹھا گرین ارن سیام اور سیت
آنکھ گلا سرخ سیاہ سفید
آنسو بوند سیمرن لین درسن بھچھیا ہیت
قطرہ تسبیح دیدار خیرات

یعنی آنکھین ایک ریاضت کش جوگی ہین جو سرخ سیاہ اور سفید دانون کا مالا پہنے ہوئے اور آنسوون کی تسبیح لیے ہوئے دیدار کی بھیک کی طالب ہین،

ان بزرگون کے سوا اور بہت سے اہل کمال گذرے ہین جنھون نے بھاشا زبان کی

انشاپردازی اور شاعری مین نامورری حاصل کی اور جن کے حالات مختلف تذکرون مین مل سکتے ہین، کیا ان واقعات کے بعد بھی ہمارے ہندو دوست کا یہ بیان قابلِ تسلیم ہے کہ مسلمانون نے کبھی ہندو لٹریچر پر توجہ نہین کی، اور جو کرنا چاہتا تھا وہ کافر قرار پاتا تھا، ہمارے ہندو دوستون کو یاد رکھنا چاہیے کہ مسلمانون سے زیادہ بے تعصب قوم، نہ صرف دنیا کی پچھلی تاریخ بلکہ موجودہ اور آیندہ زمانہ بھی قیامت تک نہ پیش کر سکے گا،

(الندوہ اکتوبر ۱۹۰۶ء)

"تحفۃ الہند"

مسلمانون کی توجہ برج بھاشا پر، برج بھاشا کا فن معانی و بیان۔

یاد ہوگا کہ ہمارے ایک معزز ہندو دوست نے اردوے معلی مین ایک مضمون لکھا تھا جسمین اس پر معترضانہ افسوس ظاہر کیا تھا کہ مسلمانون نے ۸ سو برس تک اس ملک مین حاکم رہکر کبھی ملکی زبان کی طرف توجہ نہ کی ہم نے اس کا جواب الندوہ مین بہ تفصیل دو نمبرون مین لکھا تھا، جسمین بتایا تھا کہ مسلمانون نے ہندوؤن کی زبان کے ساتھ کس قدر اعتنا کیا، اور خود برج بھاشا مین کس درجہ کی قابلیت پیدا کی، یہ مضمون بھی اس سلسلہ کا گویا تتمہ ہے،

تحفۃ الہند جو ہمارے مضمون کا عنوان ہے، ایک کتاب کا نام ہے جو اورنگزیب عالمگیر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی، مصنف کا نام میرزا خان بن فخر الدین محمد ہے، دیباچہ مین لکھا ہے کہ مین نے یہ کتاب شہنشاہ عالمگیر کے زمانہ مین شہزادہ اعظم شاہ کے مطالعہ کے لئے تصنیف کی کتاب کا موضوع ہندوؤن کا فن بلاغت اور عروض و قافیہ وغیرہ ہے، اسمین ۷ باب ہین:

۱۔ پنگل یعنی علم عروض ۲۔ تک، یعنی قافیہ،
۳۔ النکار یعنی علم بدیع ۴۔ سرنگار رس یعنی عشق و محبت،
۵۔ سامدک یعنی علم قیافہ ۶۔ کوک، یعنی علم النسا،
۷۔ لغات ہندی، اس مین برج بھاشا کے ضروری کثیر الاستعمال الفاظ لکھے ہین

اور ان کے معنی بتائے ہین،

یہ کتاب عالمگیر کے زمانہ مین تصنیف ہوئی ہے اور اس کے سب سے چہیتے اور منظور نظر فرزند کے مطالعہ کے لئے تصنیف ہوئی ہو، عالمگیر کی نسبت اس کے مخالفون کا دعوی ہے کہ وہ تعصب کا دیوتا تھا، اور اس نے ہندؤن کی نہ صرف عمارات، بلکہ ان کے لٹریچر کو بھی مٹا دینا چاہا تھا، اور اس لئے ان کی تمام درسگاہین، اور پاٹ شالے بند کرا دیئے تھے،

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ تاریخ کا مسلمہ مسلہ ہو کہ عالمگیر ملک کے ایک ایک جزئی واقعہ سے اس قدر واقفیت رکھتا تھا کہ کسی حصۂ ملک کا ادنی سا واقعہ بھی اسکی نگاہ تجسس سے مخفی نہین رہ سکتا تھا، باوجود اس کے برج بھاشا کو جس قدر اس کے زمانہ مین ترقی ہوئی مسلمانون نے جس قدر اس کے زمانہ مین ہندی کتابون کے ترجمے کئے، اور خود جس قدر برج بھاشا مین نظم و نثر لکھی کسی زمانہ مین اس قدر ہندی کی طرف التفات نہین ظاہر کیا گیا تھا، چنانچہ اسکی تفصیل ہم ایک مستقل مضمون مین لکھ چکے ہین، یہ کتاب (تحفۃ الہند) اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہو،

یہ ناممکن ہو کہ عالمگیر جو اپنے بیٹون کی ایک ایک حرکت سے خبر رکھتا تھا، اسکی نظر سے ایک ایسی کتاب جو اس کے محبوب ترین شہزادہ کے لئے لکھی جائے مخفی رہ جائے، نعمت خان عالی نے وقائع لکھی اور عالمگیر سے چھپانے کی بے انتہا کوشش کی، لیکن چھپ نہ سکی،

اس کتاب مین سے ہم صرف صنائع و بدائع کے حصہ کا اقتباس درج کرتے ہین، جس سے اندازہ ہوگا کہ ہندی زبان کے فن بدیع کو عربی سے کیا نسبت ہو؟ اس موقع پر یہ بات بھی اظہار کے قابل ہے کہ مصنف نے ہندی صنائع و بدائع کی تفصیل لکھ کر،

چند صنعتین خود اضافہ کی ہین، ان کے خود نام رکھے ہین، اور ان صنعتون مین خود ہندی اشعار کہکر، درج کتاب کیے ہین جس سے اندازہ ہو سکتا ہی کہ مصنف کو خود اس زبان مین کہان تک قدرت تھی، یہ صنائع اکثر بلکہ قریبًا کل عربی سے لئے ہین اور عربی نامون کا ترجمہ بھاشا مین کر دیا ہی،

بھاشا مین علم بدیع کو النکار کہتے ہین، چونکہ بلاغت کا اصلی کام جذبات اور احساسات پر اثر ڈالنا ہی، اس لئے النکار کی تین قسمین قرار دی ہین،

۱۔ نورس، اسمین تمام احساسات کا استقصاء کیا ہی اور ان کی نو قسمین قرار دی ہین جنکی تفصیل حسب ذیل ہے،

سرنگار رس، اس کی دو قسمین ہین، سنجوک، بیوک سنجوک یعنی وصال و فراق،

ہاسیہ رس۔ مسرت و خوشی،	کرُنا رس رحم و ہمدردی،
ویر رس۔ شجاعت و بہادری	رَودر رس۔ غیظ و غضب،
بھے رس۔ خوف و بیم،	بی بھبس رس۔ نفرت و کراہت،
شانت رس۔ سکون و اطمینان،	اَدبھت رس۔ استعجاب،

عربی اور فارسی زبان مین اس قسم کی سائنٹفک تقسیم نہین ہی اور اس لحاظ سے ہندی کو فارسی اور عربی پر ترجیح ہے،

۲۔ سے نیگ کسی مضمون کو لطیف، نازک، اور شوخ پیرایہ مین ادا کرنے کو کہتے ہین، مثلاً عورت اپنے محبوب شوہر سے جو کسی اور عورت پر عاشق ہی کہتی ہے کہ پیارے! تیری پیشانی پر جو سرخی ہے، یہ تیری سُرخ ٹوپی کا عکس ہے، یا رقیبہ کی حنا کا اثر ہے،

سوال سے بظاہر صرف اس قدر مفہوم ہوتا ہی کہ عورت کو اپنے شوہر سے رقیبہ کے پاس جانے، اور اس سے ملنے کی شکایت ہی، لیکن درپردہ وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتی ہی کہ شوہر نے رقیبہ کے پاؤن پر پیشانی، گڑی ہے، جس سے پیشانی مین سرخی آگئی ہی، یہ وہ صنعت ہی جسکو عربی مین تعریض کہتے ہین،

سنسکرت کا انشاپرداز اس صنعت کو اس قدر وسعت دیتا ہی کہ الفاظ اور عبارت کی ضرورت نہین، صرف حالت کا دکھا دینا بھی اس صنعت مین داخل ہی، مثلاً محبوب، رات بھر کا جاگا ہوا کسی صحبت سے آیا ہے، جس کی وجہ سے بال پریشان ہین، آنکھین مخمور ہین، انگڑائیون پر انگڑائیان آرہی ہین، عاشق زبان سے کچھ نہین کہتا، صرف آئینہ لاکر سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ سب کچھ کہدیگا، یہ بھی اسی صنعت مین داخل ہی،

۳- اُپمان، اس کے معنی تشبیہ کے ہین، تشبیہ ایک نہایت لطیف صنعت ہے، عربی مین اسکو نہایت وسعت دی ہی، اور اس کی بہت سی قسمین کی ہین، بھاشا مین بعض باتین تو مشترک ہین مثلاً ملک اپمان یعنی جب تشبیہ کے الفاظ مذکور ہون، مثل چون، مثل وغیرہ

لپت اپمان، حرف تشبیہ مذکور نہین لیکن مقدر ہے جیسے "قند لب" یعنی لب چون قند، اسکو عربی مین استعارہ کہتے ہین،

لیکن بعض باتون مین جدت ہی مثلاً،

مالو اپمان، تشبیہ کا یہ طریقہ عربی اور فارسی مین نہین، یا ہی تو اس کا کوئی خاص نام نہین، یہ وہ صورت ہے کہ مشبہ بہ کے اجزا اور عوارض سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً چاند کی تشبیہ مین کہا جائے کہ وہ ایک باغ ہی، اسمین جو سیاہی ہے، وہ درختون کی چھاؤن ہی، اُسکی کرنین، اور درختون کی ٹہنیان ہین، اس کو تشبیہ مرکب کہہ سکتے ہین، لیکن کسی قدر اس سے

مختلف الصورۃ ہے،

شرنکھلا اپمان، اسمین سلسلہ بہ سلسلہ تشبیہ دیتے جاتے ہین، یعنی ایک چیز کو ایک چیز سے تشبیہ دی، پھر اسکو کسی اور چیز سے تشبیہ دی، پھر اسکو بھی کسی اور چیز سے تشبیہ دی،

اننیتی اپمان، یہ وہ صورت ہی جسکو فارسی مین تشبیہ الشی بنفسہ کہتے ہین یعنی کسی شے کو خود اسی شے سے تشبیہ دینا، مثلاً فارسی مین ع

چہ تو گر کسے باشد آن ہم توئی

اردو مین آج کل کہتے ہین وہ شخص آپ اپنا نظیر ہے،

حقیقت مین یہ مبالغہ کی ایک صورت ہے یعنی جب یہ کہنا ہوتا ہی کہ اس شخص کی نظیر نہین، تو یون کہتے ہین کہ وہ اپنا آپ ہی نظیر ہے، اور کوئی اسکا نظیر نہین، اس صنعت کو فارسی مین اور بھی ترقی دی ہے، یعنی یون کہتے ہین کہ وہ "خود بھی اپنا نظیر نہین" اردو مین کسی کا مصرع ہی، ع

تم سے جب تم ہی نہین پھر کوئی تم سا کیا ہو

النکار، یہ ایک عام لفظ ہی جس کے معنی صنعت و بدیع کے ہین ہنسکرت مین اسکی بہت سی انواع ہین، ان مین سے، از یادہ متداول ہین، جنکی تفصیل حسب ذیل ہی،

وترکتا النکار، یہ وہ صورت ہی کہ جس چیز سے ممدوح کو تشبیہ دیتے آئے ہین، اس مین عیب ثابت کیا جائے تاکہ ممدوح کی ترجیح ثابت ہو، مثلاً سخاوت اور فیاضی مین ممدوح کو بادل سے تشبیہ دیتے ہین، لیکن عنصری کہتا ہی ؎

او ہمی بخشد و ہمی گرید تو ہمی بخشی و ہمی خندی

یعنی بادل برستا ہی تو روتا جاتا ہو اور تو برستا ہی تو ہنستا ہی،

دروڈّہا بھاس النکار یعنی عبارت کے معنی واقع مین صحیح ہون، لیکن بظاہر غلط معلوم ہون جب ایک لفظ کے معنی مختلف ہوتے ہین، تو اس صنعت سے کام لیتے ہین مثلاً بھاشا مین سیام سیاہ کو بھی کہتے ہین، اور معشوق کو بھی، اسی طرح لال سرخ کو بھی کہتے ہین اور محبوب کو بھی، اب اگر یہ کہا جائے کہ "سیام زرد ہے" تو بظاہر غلط ہوگا، کیونکہ سیاہ چیز زرد نہین ہو سکتی، لیکن اگر سیام کے معنی محبوب کے لئے جائین تو یہ جملہ صحیح ہو سکتا ہے،

عربی مین اس صنعت کو نہایت وسعت دی ہے، مقامات حریری مین سو فقہی سوال اور جواب ہین، جوابات تمامتر غلط معلوم ہوتے ہین لیکن واقع مین صحیح ہین، مثلاً ایک سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص وضو کے بعد نعل کو چھوئے تو کیا حکم ہے، جواب دیا ہے کہ "وضو ٹوٹ جائیگا" نعل عربی مین جوتی کو کہتے ہین اور یہی معنی زیادہ متداول ہین، لیکن نعل عورت کو بھی کہتے ہین، اور شافعیون کے نزدیک عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے،

سکارن ات بریچھا حسن تعلیل کو کہتے ہین، یہ صنعت عربی اور فارسی مین بہت مستعمل ہے، بھاشا مین اس کے نہایت لطیف نئے نئے پیرایے ملتے ہین، مثلاً چاند معشوق کا حسن چرا کر آسمان پر بھاگ گیا، اسی وجہ سے ہمیشہ چورون کی طرح رات کو نکلتا ہے، فارسی کا شاعر کہتا ہے، ؎

از شرم ابروان بلند تو ماہ نو   خود را چنان نمود کہ کس دید و کس ندید

یعنی معشوق کے ابرو کی شرم سے، ماہ نو اس طرح چھپ کر نکلا کہ کسی نے دیکھا، کسی نے نہین دیکھا،

اکارن ات بریچھا، مبالغہ اور اغراق کو کہتے ہین،

انکرن النکار، لف و نشر کو کہتے ہین،

سندیھا النکار، یعنی دو چیزون مین جان بوجھکر شک کرتا مثلاً یون کہین کہ یہ چہرہ ہے، یا چاند، زلف ہے، یا سانپ، عربی مین اسکو تجاہل عارفانہ کہتے ہین،

سیچھان النکار، یعنی الفاظ و عبارت کے بغیر کسی مطلب کو محض اشارے و کنایے سے ادا کرنا، مثلاً عاشق معشوق سے سوال کرتا ہی کہ مین کب آؤن؟ معشوق کچھ جواب نہین دیتا بلکہ اسکی بجائے ایک گورے چٹے آدمی کو سنگیون پر قمع پہنا کر بھیجتا ہی جس سے یہ اشارہ ہوتا ہی کہ جب چاند ڈوب جائے اور تاریکی چھا جائے تب آنا،

اپیاپدیسیار النکار، کسی پر بات ڈھال کے کہنا، مثلاً ایک وفاکیش معشوقہ کا عاشق آیا ہے، وہ دوسرے شخص کی طرف مخاطب ہوکر کہتی ہی کہ آہ! آج میرا شوہر ایک کام کو گیا ہے ساس بھی کہین گئی ہی، گائے بھینس کا باندھنا مجھ پر کس قدر شاق ہی، اور اندھیری رات مین مجھکو سخت ڈر معلوم ہوتا ہی، لیکن ان باتون کا اصلی مخاطب درحقیقت عاشق ہی، اردو فارسی مین اس کی مثالین نہایت کثرت سے ملسکتی ہین، لیکن مصنف نے جو مثال دی ہے، اس سے ہندوستان کی قدیم طرز معاشرت کا اندازہ ہوتا ہی،

اتسیوکت النکار، اس کی چار قسمین ہین یعنی

نگرجادھوسان، یعنی مشبہ بہ کو ذکر کرکے مشبہ مراد لیتے ہین، مثلاً یہ کہ چاند، سانپ، ہرن، چیتا، میرا دل اوڑالے گئے، رخسار، زلف، آنکھ، کمر کو چاند، سانپ، ہرن اور چیتے سے تشبیہ دیتے ہین، لیکن اس جگہ خود ان چیزون کو بول کر رخسار وغیرہ مراد لیا ہی،

برکتیپا نتھا بھان، اس مین تشبیہ کا شائبہ بھی باقی نہین رہتا، اور نہ مشبہ و مشبہ بہ کا ذکر ہوتا، بلکہ مشبہ کی نفی کرکے اسکو عین مشبہ بہ فرض کر لیتے ہین، مثلاً کہتے ہین، کہ اب تم وہ نہین رہے، بلکہ دوسری چیز ہوگئے،

کارن کالج پرجئی، اس صنعت مین مسبب سبب سے پہلے واقع ہوتا ہی، مثلاً جرم مواخذہ کا سبب ہی لیکن یون کہتے ہین اس شہر مین عجیب رسم ہے کہ گناہ کرنے سے پہلے مواخذہ کرتے ہین،

جذ یارتہ، اس مین مشبہ کو مشبہ بہ پر ترجیح دیتے ہین، مثلاً چاند سے معشوق کو تشبیہ دیتے ہین لیکن اگر یون کہین کہ چاند معشوق کے برابر اس وقت ہوسکتا ہی، کہ اس کے یاقوت کے مثل لب، موتی کی طرح دانت، سانپ کی طرح زلف اور ہرن جیسی آنکھین ہون،

عربی و فارسی مین اسکی مثالین کثرت سے ہین،

اچھر جھتھکا النکار، یعنی صنعت سوال وجواب، فارسی مین یہ صنعت نہایت کثرت سے مستعمل ہے، لیکن بھاشا مین یہ جدت ہی کہ مسلسل سوالات کیے جاتے ہین، اس کے بعد صرف ایک ایسا مفرد لفظ بولتے ہین، جو کل سوالون کا جواب ہوتا ہی، مثلاً ان سوالات کے جواب مین کہ زمین وزمان کی روشنی، بینائی، انسان کی معاش کا سبب کیا ہی؟ صرف عین کا لفظ کافی ہوگا کیونکہ عین آفتاب، آنکھ، سونا کو کہتے ہین، اور وہ ان سوالات پر حاوی ہی،

بھرمان النکار، مغالطہ مین پڑنا، مثلاً یہ کہ میرا دل معشوق کے تل کو دانہ سمجھکر اسکی زلف کے جال مین جا پھنسا، ایک ہندی شاعر نے اس مضمون کو عجیب لطیف پیرایے مین ادا کیا ہے، وہ کہتا ہی کہ ایک بھونرا طوطے کی چونچ کو ڈھاک کا پھول سمجھ کر رس چوسنے کے لیے اس پر جا بیٹھا، طوطے نے اس کو جامن کا پھل سمجھا اور نگل گیا،

ان صنائع مین سے ہم نے بہت سے چھوڑ دیئے جس کی وجہ یہ ہے کہ اولاً تو ان مین سے بہت سے فارسی اور عربی مین بہ کثرت مستعمل ہین، دوسرے سنسکرت الفاظ کا تلفظ ہم سے صحیح ادا نہین ہوتا،

اس موقع پر یہ نکتہ خاص لحاظ کے قابل ہے کہ اگرچہ ہمارے انشا پردازون نے سنسکرت اور برج بھاشا کے علم ادب کے نکتہ نکتہ کو سمجھا، اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا، لیکن اسکے فیض سے وہی محروم رہگیا، جو سب سے زیادہ حقدار تھا، یہ ظاہر ہے کہ اردو بھاشا سے نکلی اور اس کے دامن مین پلی لیکن بھاشا سے جو سرمایہ اسکو ملا، صرف الفاظ تھے مضامین اور خیالات سے اسکا دامن خالی رہا، بخلاف اس کے عربی زبان جسکو بھاشا سے کسی قسم کا تعارف نہ تھا، وہ سنسکرت اور بھاشا دونون سے مستفید ہوئی (تفصیل اسکی آگے آئیگی)

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آج سے ۵۰ برس پہلے مسلمان، اردو کو کوئی علمی زبان نہین سمجھتے تھے، خط کتابت تک فارسی مین تھی، اردو شعرا جسقدر گذرے ان مین سے ایک بھی عربی کا فاضل نہ تھا، یا یون کہو کہ کوئی عالم اردو کو اس قابل نہین سمجھتا تھا کہ اسمین انشا پردازی یا شاعری کا کمال دکھائے، علمی زبان اس وقت صرف عربی تھی، اس لئے جہان سے جو سرمایہ ملتا تھا اسی کے خزانہ مین جمع کیا جاتا تھا، بہرحال ہندی شاعری کے مضامین، عربی زبان مین بعینہ نقل ہوئے یعنی علمائے ادب نے سنسکرت اور بھاشا کی نظمون کا بعینہ عربی مین ترجمہ کیا، ہم چند مثالین ذیل مین لکھتے ہین، یہ مثالین سبحۃ المرجان سے لی گئی ہین، مولوی غلام علی آزاد نے ہر جگہ تصریح کردی ہے کہ وہ ہندی سے ترجمہ کی گئی ہین،

لقد نحلت فی یوم راح حبیبہا　　　الی ان ہوت حتی یہا عند یہا تضاءرہا
ولما اتاہا مخبر عن قدومہا　　　علی ساعد الملاک ضاق سوارہا

(یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہندی مین عاشق، عورت ہے، اور مرد معشوق ہے)

یعنی جس دن معشوق نے سفر کیا، مین اس قدر دبلی ہوگئی کہ ہاتھ کے کڑے ڈھیلے ہوکر گر پڑے، لیکن جس دن قاصد نے آکر معشوق کے آنے کی خبر دی، اور مین نے کڑون کو پہننا چاہا

تو اب وہ تنگ ہو گئے اور چڑھتے نہ تھے،

ما لاح في شفتيك كحل راق ... اني ابينه بحسن بيان

ختمت على شفتيك ذات تدلل ... كيلا تكلمني على الاحيان

واقعہ یہ ہے کہ شوہر کسی اور محبوبہ سے مل کر آیا ہے، اور چونکہ اس نے اس کی سرمگین آنکھوں کو چوما تھا، اس لئے اس کے ہونٹوں پر سیاہی لگ گئی ہے، اب عورت شوہر سے کہنے آئی ہے کہ تیرے ہونٹوں پر جو سیاہی ہے، میں بتاؤں کیوں ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ کسی کافر ادا نے تیرے ہونٹوں پر مہر کر دی ہے، کہ تو کبھی مجھ سے بات نہ کرے،

رأت المهاة العامرية صدره ... بالظفر محكوما فقالت مرحبا

هذا هلال تبتغيه طبيعتي ... روحي فداءك لا لعبا

ایک بھولی کمسن عورت نے اپنے شوہر کے سینہ پر ناخن کا خراش دیکھا جو ناخن کے مشابہ تھا، بھولے پن سے شوہر سے کہتی ہے کہ یہ تو نئی رات کا چاند ہے، مجھکو بہت پیارا معلوم ہوتا ہے، مجھکو دیدو، میں اس سے کھیلوں گی،

بات الحبيب مع الحسناء بارحة ... حتى بدى حاجب من مطلع الشهب

ورأت زوجته في الصبح فانقبضت ... لما رأت طرفه المحمر كالسكب

قالت فما لهما في العين منعكس ... ياقوت سيلك النقر عن لهب

تبسمت من سماع القول واضعة ... فضل الخمار على ضوء من الشنب

فصار يغضب للصهباء كيف غدت ... على رضابك وازدرت عن الادب

قالت له لا تكن غضبان مرحمة ... فهمت طرفك محمر عن الغضب

شوخی ادا، عارفانہ تجاہل اور نزاکت خیال کی اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی، اور صرف

ان اشعار سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ بھاشا کی شاعری کس قدر لطیف اور نازک ہی،

صورت حال یہ ہے کہ شوہر رات بھر کا جاگا ہوا کہین سے آیا ہی، اور اسکی آنکھین سرخ ہین،
عورت کو بدگمانی ہوتی ہی کہ کسی محبوبہ کے ہان رات گذاری ہے، اس لئے آنکھین سرخ ہین،
ایک سہیلی بدگمانی کو مٹانا چاہتی ہی، اور کہتی ہی کہ نہین، یہ تمھارے ہونٹون کی سرخی کا عکس ہے،
عورت شرما کر آنچل کا گوشہ منہ پر رکھ لیتی ہے (اس سے اصل مین یہ غرض ہی کہ اگر ہونٹون کی
سرخی تھی تو وہ آنچل مین چھپ گئی، اب کیون سرخی نظر آتی ہی) شوہر غصہ کی صورت بنا کر کہتا
ہے کہ شراب کو کیا حق ہی جو تیرے آب دہن کا مقابلہ کرے، عورت کہتی ہی، آپ غصہ نہ ہون، مین
سمجھی، آپ کی آنکھین غصہ کی وجہ سے سرخ ہین،

اردو زبان مین، اگر اس لطافت کی کوئی نظیر ہے، تو یہ شعر ہے،

نہ مین سمجھا نہ آپ آئے کہین سے ۔۔۔ پسینہ پونچھیے اپنی جبین سے

جس زمانہ مین مولوی غلام علی آزاد بلگرامی اورنگ آباد دکن مین تھے، ان کے ماموں مولانا
طفیل احمد نے بلگرام سے ایک ہندی نظم عربی مین ترجمہ کرنے کے لئے بھیجی، آزاد نے حسب ذیل
اسکا ترجمہ کیا (سبحۃ المرجان صفحہ ۲۵۰)

زارت سعاد بلا وعد فقلت لها ۔۔۔ یا مرحبا بک من القاک فی التعب
قالت لقد جاء بی ضیمی وکلفنی ۔۔۔ انی اجوب الیک الارض بالنصب
فقلت کیف طویت الارض ماشیۃ ۔۔۔ وقت الدجی وسکوب الدمع من سحب
قالت هدی الی شعاع البرق مرحمۃ ۔۔۔ فمثله سرت فی القیعان والکثب
فقلت سیرک فی جنح الدجی غلط ۔۔۔ بلا رفیق شریک فی خطی الطلب
قالت خیالک طول السیر کان معی ۔۔۔ فی حالۃ عن تجاه العین لم یغب

یعنی معشوقہ میرے پاس دفعتاً آئی مین نے کہا خیر ہے؟ اس وقت کیونکر تکلیف کی،
بولی کہ بادل آگئے، انھون نے مجھکو آمادہ کیا کہ تیرے پاس آؤن، مین نے کہا رات اور بادل
کی تاریکی مین راستہ کیونکر نظر پڑا، بولی کہ بجلی نے رہنما ساتھ کر دیا تھا، مین نے کہا لیکن رات
کو اکیلے سفر کرنا کسی طرح مناسب نہین، بولی کہ مین تنہا نہین آئی تیرا خیال برابر میرے ساتھ
رہا، اور ساتھ آیا۔

واقعات مذکورۂ بالا کو پڑھکر ایک دفعہ اور ہمارے ہندو دوست کے وہ الفاظ یاد کرو
کہ مسلمانون نے کبھی ہندوستان کے لٹریچر سے فائدہ نہین اٹھایا، ہم وہ لوگ ہین کہ:-

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نداشت   دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

(الندوہ، فروری ۱۹۱۱ء)

مولانا شبلیؒ کے مجموعۂ مضامین کی پہلی جلد

فہرست مضامین

لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت :- عہ

منیجر

(طابع و ناشر محمد ادریس وارثی)